خصوصی شمارہ

ڈاکٹر شہزاد سلیم
لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ

زیرسرپرستی
جاوید احمد غامدی

ماہنامہ
اشراق
ریاست ہائے متحدہ امریکہ

ستمبر 2025ء

مدیر: سید منظور الحسن

اشراق آڈیو

مدیر آڈیو: محمد حسن الیاس

نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

— ڈاکٹر شہزاد سلیم کی علمی و دعوتی خدمات سے متعلق ممتاز اساتذہ و رفقا کی تحریریں —

www.ghamidi.org

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

خصوصی شمارہ

ڈاکٹر شہزاد سلیم
لائف ٹائم اچیومنٹ
ایوارڈ

ریاست ہاے متحدہ امریکہ
ماہنامہ
اشراق

جلد۳ شمارہ ۹ ستمبر ۲۰۲۵ء ربیع الاول ۱۴۴۷ھ

زیر سرپرستی
جاوید احمد غامدی

مدیر
سید منظور الحسن

معاون مدیر: شاہد محمود

مدیر آڈیو اشراق: محمد حسن الیاس

مجلس تحریر:
ریحان احمد یوسفی، ڈاکٹر عمار خان ناصر، ڈاکٹر محمد عامر گزدر
ڈاکٹر عرفان شہزاد، محمد ذکوان ندوی، نعیم بلوچ

فہرست

شذرات

خصوصی شمارہ — سید منظور الحسن — 4

قرآنیات

البیان: آل عمران 3: 33-63 (3) — جاوید احمد غامدی — 6

معارف نبوی

احادیث — محمد حسن الیاس — 12

تقریب بہ سلسلہ لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ

کاروانِ عزیمت کا سرخیل — محمد حسن الیاس / شاہد رضا — 15

خدمتِ قرآن کے 37 برس — مکرم عزیز / معظم صفدر — 22

www.ghamidi.org

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز	جاوید احمد غامدی / سید منظور الحسن	25
وفا کیش ندیم	سید منظور الحسن	28
یکسوئی میں حضرت ابراہیم کا پیرو	ڈاکٹر خالد ظہیر / شاہد محمود	32
استاذ کا بے مثل شاگرد	ڈاکٹر عمار خان ناصر	34
فکر غامدی کی صبح کا ستارہ	نعیم احمد بلوچ	36
دورِ ابلاغ کا سالارِ قافلہ	ریحان احمد یوسفی	43
دینی استقامت میں میرا ہیرو	معز امجد / شاہد محمود	47
ڈاکٹر شہزاد سلیم سے وابستگی کی روداد	محمد ذکوان ندوی / شاہد محمود	49
مدرسۂ فراہی میں میرے پہلے استاد	ڈاکٹر عرفان شہزاد / عبد الوحید	51
اعلیٰ اخلاق کا پیکر	فرحان سید / شاہد رضا	53
علم کا سفیر اور دین کا مبلغ	حمزہ علی عباسی / شاہد محمود	55
ہم دردی، عزم اور استقامت کا پیکر	امتنان الٰہی / شاہد محمود	57
عالم با عمل	کوکب شہزاد / شاہد رضا	59
”المورد کلچر“ ہمارا محسن	ڈاکٹر شہزاد سلیم / معظم صفدر	61

داستانِ حیات ڈاکٹر شہزاد سلیم: محمد حسن الیاس سے ایک مکالمہ (1)	شاہد محمود	69
ڈاکٹر شہزاد سلیم: ایک مترجم، محقق اور مربی	ڈاکٹر غطریف شہباز	76
علم و اخلاق کا امتزاج	ثاقب علی	83
ادبیات		
ندیم	جاوید احمد غامدی	88
حالات و وقائع		
خبر نامہ ”المورد امریکہ“	شاہد محمود	90

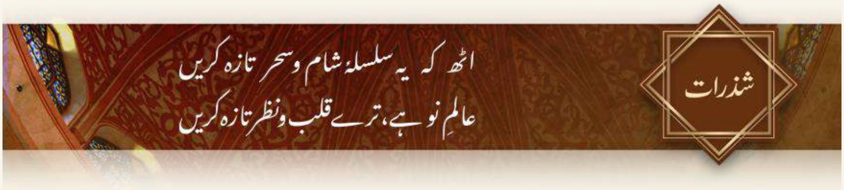

سید منظور الحسن

خصوصی شمارہ

—— ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے خطبات پر مبنی ——

16/ اگست 2025ء کو ''غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد'' امریکہ نے مدرسۂ فراہی کے جلیل القدر عالم اور محقق ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب کو لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ پیش کرنے کا اہتمام کیا۔ یہ ایوارڈ غامدی سینٹر ڈیلس امریکہ میں منعقد ایک پروقار تقریب میں پیش کیا گیا۔ تقریب کی صدارت ''المورد'' کے بانی جناب جاوید احمد صاحب غامدی نے کی۔ ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب مہمانِ خصوصی کے طور پر شریک ہوئے۔ غامدی سینٹر کے ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ کمیونیکیشن محمد حسن الیاس صاحب نے میزبانی کے فرائض انجام دیے اور ''المورد'' امریکہ کے چیئر آف دی بورڈ جناب مکرم عزیز نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ اس موقع پر ''المورد'' کے مختلف اہل علم نے شہزاد سلیم صاحب کی 37 سالہ علمی اور دعوتی خدمات پر انھیں خراج تحسین پیش کیا۔ ان کے رفقا اور اعزہ و احباب نے بھی اظہارِ خیال کیا۔ جناب جاوید احمد غامدی نے صدارتی خطبہ دیا۔ تقریب کے آخر میں ڈاکٹر شہزاد سلیم نے خطاب کیا اور ادارۂ علم و تحقیق، ''المورد'' کے ساتھ اپنی 37 سالہ رفاقت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب کے اعزاز میں منعقد کی گئی اسی تقریب کی مناسبت سے ستمبر 2025ء

کا یہ شمارہ ترتیب دیا گیا ہے۔ اس میں تقریب کے تمام خطبات اور گفتگوؤں کو مرتب کر کے تحریری صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ تقریب کی رعایت سے لکھے گئے چند مضامین بھی شمارے کا حصہ ہیں۔ حسن الیاس صاحب کے ساتھ شہزاد سلیم صاحب کا خصوصی انٹرویو بھی شامل ہے۔

خطبات اور گفتگوؤں کی ترتیب و تدوین کے فرائض ہمارے شعبۂ ادارت کے ارکان شاہد محمود صاحب، معظم صفدر صاحب اور شاہد رضا صاحب نے انجام دیے ہیں۔

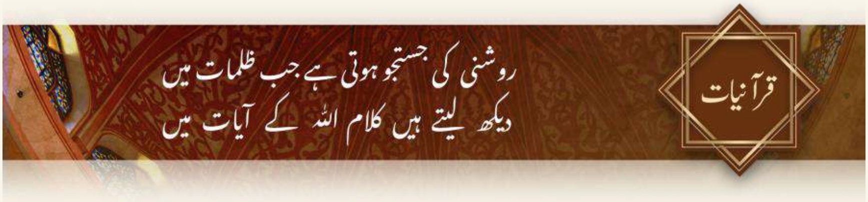

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آل عمران

(3)

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ
بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾
اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۗ وَ
لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾
فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۗ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا
الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۗ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ
مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

(یہ اہلِ کتاب تم سے بحث کرنا چاہتے ہیں)۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اللہ نے آدم اور نوح کو، اور ابراہیم اور عمران کے خاندان کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر (اُن کی رہنمائی کے لیے) منتخب فرمایا۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿٣٨﴾
فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ
سَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٣٩﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ
عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿٤٠﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ
ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿٤١﴾

یہ ایک دوسرے کی اولاد ہیں اور (جو کچھ کہتے اور کرتے رہے ہیں، اللہ اُس سے واقف ہے، اِس لیے کہ) اللہ سمیع و علیم ہے۔ 33-34

اِنھیں یاد دلاؤ وہ واقعہ جب عمران کی بیوی نے دعا کی کہ پروردگار، یہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے، اُس کو میں نے ہر ذمہ داری سے آزاد کرکے تیری نذر کر دیا ہے۔ سو تو میری طرف سے اِس کو قبول فرما، بے شک تو ہی سمیع و علیم ہے۔ پھر جب اُس نے اُس کو جنا تو بولی کہ پروردگار، یہ تو میں نے لڑکی جن دی ہے ——— اور جو کچھ اُس نے جنا تھا، اللہ کو اُس کا خوب پتا تھا ——— اور (بولی کہ) وہ لڑکا اِس لڑکی کی طرح نہ ہوتا۔ (خیر اب یہی ہے) اور میں نے اِس کا نام مریم رکھ دیا ہے اور اِس کو اور اِس کی اولاد کو میں شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ (اُس کے احساسات یہی تھے)، تاہم اُس کے پروردگار نے اُس لڑکی کو بڑی خوشی کے ساتھ قبول فرمایا اور نہایت عمدہ طریقے سے پروان چڑھایا اور زکریا کو اُس کا سرپرست بنا دیا۔ (چنانچہ) جب کبھی زکریا محراب میں اُس کے پاس جاتا تو وہاں (اللہ کی) عنایت دیکھتا تھا۔ (اِسی طرح کے ایک موقع پر) اُس نے پوچھا: مریم، یہ کہاں سے پاتی ہو؟ اُس نے جواب دیا: یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ (اُس لڑکی پر یہ تمھارے پروردگار کا کرم تھا)، اِس میں شبہ نہیں کہ اللہ جس کو چاہتا ہے، بے حساب دیتا ہے۔ 35-37

یہی موقع تھا کہ زکریا نے اپنے رب کو پکارا۔ اُس نے دعا کی کہ پروردگار، تو مجھے بھی اپنی جناب سے (ایسی ہی) پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ یقیناً تو (اپنے بندوں کی) دعائیں سننے والا ہے۔ اِس کے جواب میں فرشتوں نے اُس کو ندا دی، جب کہ وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ اللہ تجھے یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے جو اللہ کے ایک کلمہ کی تصدیق کرنے والا، سردار اور دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش اور (خدا کے) نیک بندوں میں سے ایک نبی ہو گا۔ اُس نے تعجب سے پوچھا: پروردگار، میرے ہاں لڑکا کہاں سے ہو گا، میں تو بوڑھا ہو چکا اور میری بیوی بھی بانجھ ہے؟ فرمایا: اللہ اِسی طرح جو چاہے،

وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٢﴾
يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِيْ وَ ارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿٤٣﴾
ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ
مَرْيَمَ ۪ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٤٤﴾
اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖۗ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ
وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا وَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ
﴿٤٦﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤى
اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٤٧﴾ وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ﴿٤٨﴾ وَ رَسُوْلًا
اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ
فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ
بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَ مُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿٥٠﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٥١﴾

کرتا ہے۔ اُس نے عرض کیا: پروردگار، پھر میرے لیے کوئی نشانی ٹھیرا دیں۔ فرمایا: تمھارے لیے نشانی یہ ہے کہ تین دن تک تم لوگوں سے اشارے کے سوا کوئی بات نہ کر سکو گے۔ (ہاں، تسبیح و تہلیل، البتہ کر سکو گے، لٰہذا یہ دن اِسی طرح گزارنا) اور (اِس دوران میں) اپنے پروردگار کو بہت یاد کرنا اور صبح و شام اُس کی تسبیح کرتے رہنا۔ 38-41

اور وہ واقعہ بھی اِنھیں یاد دلاؤ، جب فرشتوں نے مریم سے کہا: اے مریم، اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا ہے اور پاکیزگی عطا فرمائی ہے اور دنیا کی تمام عورتوں پر ترجیح دے کر (اپنی ایک عظیم نشانی کے ظہور کے لیے) تم کو منتخب کر لیا ہے۔ (اِس لیے)، اے مریم، اب اپنے پروردگار کی فرماں برداری میں لگی رہو اور اُس کے حضور میں جھکنے والوں کے ساتھ رکوع و سجود کرتی رہو۔ 42-43

یہ غیب کی باتیں ہیں، (اے پیغمبر)، جو ہم تمھیں وحی کر رہے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ جب ہیکل کے خدام یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ اُن میں سے کون مریم کی سرپرستی کرے گا، اپنے اپنے قرعے ڈال رہے تھے تو تم اُس وقت اُن کے پاس موجود نہ تھے، اور نہ اُس وقت اُن کے پاس موجود

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَ اشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَ اتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ
الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ
وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ
مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا
شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾

تھے، جب وہ اِس معاملے میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے۔44

اِنھیں یاد دلاؤ، جب فرشتوں نے کہا: اے مریم، اللہ تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے۔ اُس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہو گا۔ وہ دنیا اور آخرت، دونوں میں صاحب وجاہت اور مقربین میں سے ہو گا۔ لوگوں سے گہوارے میں بھی (اپنی نبوت کا) کلام کرے گا اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی اور صالحین میں شمار کیا جائے گا۔ وہ بولی: پروردگار، میرے ہاں بچہ کہاں سے ہو گا، مجھے تو کسی مرد نے چھوا تک نہیں۔ فرمایا: اِسی طرح اللہ جو چاہے، پیدا کرتا ہے۔ وہ جب کسی معاملے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اُس کو اتنا ہی کہتا ہے کہ ہو جا، پھر وہ ہو جاتا ہے۔ (لہٰذا اِسی طرح ہو گا) اور اللہ اُسے قانون اور حکمت سکھائے گا، یعنی تورات و انجیل کی تعلیم دے گا۔ اور اُس کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔ (چنانچہ یہی ہوا اور اُس نے بنی اسرائیل کو دعوت دی کہ (میں تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمھارے لیے مٹی سے پرندے کی ایک صورت بناتا ہوں، پھر میں اُس میں پھونکتا ہوں تو اللہ کے حکم سے وہ فی الواقع پرندہ بن جاتی ہے؛ اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں؛ اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں؛ اور میں تمھیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔ اِس میں تمھارے لیے یقیناً ایک بڑی نشانی ہے، اگر تم ماننے والے ہو۔ اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں جو مجھ سے پہلے آچکی ہے اور اِس لیے آیا ہوں کہ تمھارے لیے بعض اُن چیزوں کو حلال ٹھیراؤں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں، اور (دیکھو) میں تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس نشانی لے

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَ الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿٥٨﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ
خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٥٩﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ
حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ
نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ
بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾

کر آیا ہوں۔ سو اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ یقیناً اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی، لہٰذا تم اُسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔ 45-51

پھر جب عیسیٰ نے محسوس کیا کہ یہ لوگ انکار ہی کریں گے تو اُس نے (حواریوں سے) کہا: کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے؟ حواریوں نے جواب دیا: ہم ہیں اللہ کے مددگار، ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور آپ گواہ رہیے کہ ہم نے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ پروردگار، ہم نے اُسے مان لیا ہے جو آپ نے نازل کیا ہے اور (اُس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے) رسول کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ سو آپ ہمیں اُس کی گواہی دینے والوں میں لکھ لیں۔ 52-53

(یہ ہوا) اور بنی اسرائیل نے (اُس کے خلاف) خفیہ تدبیریں کرنا شروع کیں، اور اللہ نے بھی (اِس کے جواب میں) خفیہ تدبیر کی اور ایسی تدبیروں میں اللہ سب سے بڑھ کر ہے۔ اُس وقت، جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰ، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھا لوں گا اور تیرے اِن منکروں سے تجھے پاک کروں گا اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت کے دن تک اِن منکروں پر غالب رکھوں گا۔ پھر تم سب کو بالآخر میرے پاس آنا ہے تو اُس وقت میں تمھارے درمیان اُن چیزوں کا فیصلہ کر دوں گا جن میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔ سو یہی منکرین ہیں جن کو میں دنیا اور آخرت، دونوں میں سخت سزا دیتا ہوں اور وہ اپنے لیے کوئی مددگار نہیں پاتے۔ اور جنھوں نے مانا اور اچھے عمل کیے تو اُن کو اللہ اُن کا پورا اجر عطا فرماتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اِس طرح کے ظالموں کو اللہ ہرگز دوست نہیں رکھتا۔ 54-57

یہ ہماری آیتیں اور بڑی پرحکمت یاددہانی ہے جو ہم تمھیں سنا رہے ہیں۔ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے۔ اللہ نے اُسے مٹی سے بنایا، پھر اُس کو حکم دیا کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔

تمھارے پروردگار کی طرف سے یہی حق ہے، لہٰذا تم کسی شبہے میں نہ رہو۔ پھر یہ علم تمھارے پاس آجانے کے بعد بھی جو اِس معاملے میں تم سے جھگڑیں تو کہہ دو کہ آؤ ہم بھی اپنے بچوں کو بلائیں اور تم بھی اپنے بچوں کو لے آؤ، اور ہم بھی اپنی عورتوں کو بلائیں اور تم بھی اپنی عورتوں کو لے آؤ اور ہم اور تم خود بھی آجائیں، پھر دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ اِس میں شبہ نہیں کہ یہی سچا بیان ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور اللہ ہی عزیز و حکیم ہے۔ پھر وہ اعراض کریں تو اللہ تو اِن فساد کرنے والوں سے واقف ہی ہے۔58-63

[باقی]

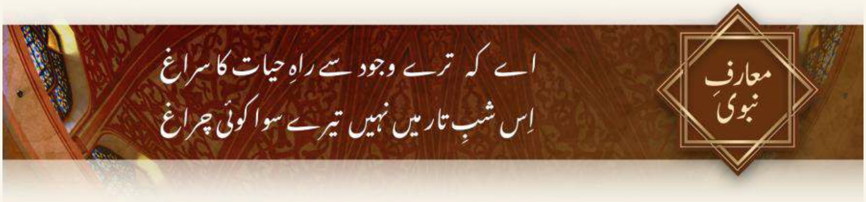

ترجمہ و تحقیق: محمد حسن الیاس

— 1 —

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہو گا، اُن کی صورتیں ایسی روشن ہوں گی، جیسے چودھویں کا چاند روشن ہوتا ہے، پھر اُن کے بعد جو لوگ داخل ہوں گے، وہ آسمان کے سب سے زیادہ روشن ستارے کی طرح چمکتے ہوں گے۔ وہ نہ تھوکیں گے، نہ اُن کی ناک سے رطوبت نکلے گی اور نہ بول و براز کی ضرورت لاحق ہو گی۔ اُن کے برتن سونے کے ہوں گے، یہاں تک کہ کنگھے بھی سونے چاندی کے ہوں گے۔ اُن کی انگیٹھیوں میں نہایت پاکیزہ اور خوشبودار عود سلگتا ہو گا اور اُن کا پسینہ مشک کی طرح ہو گا۔ اُن میں سے ہر ایک کی دو، دو بیویاں ہوں گی، آہو چشم گوریوں میں سے، جن کی پنڈلیوں کا گودا اُن کے حُسن کی وجہ سے گوشت کے اوپر ایسا دکھائی دے گا، جیسے سفید پیالے میں سرخ شراب دکھائی دے۔ جنت میں کوئی بھی کنوارا نہ ہو گا۔ اُن کا آپس میں کوئی اختلاف نہ ہو گا اور نہ بغض و عناد، اُن کے دل بالکل ایک ہوں گے۔ وہ صبح و شام وہاں اللہ کی تسبیح و تہلیل میں مشغول رہیں گے۔ (بخاری، رقم 3024)

— 2 —

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں

جہاد کے لیے ایک صبح یا ایک شام کا سفر، دنیا اور اُس کی ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ جنت میں تمھارے کسی شخص کی ایک کمان کے برابر یا ایک قدم جتنے فاصلے کی جگہ، دنیا اور اُس کی ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت اگر روے زمین کی طرف جھانک کر دیکھ لے تو آسمان سے لے کر زمین تک، ہر چیز کو روشن کر دے اور ہر چیز کو خوشبو سے بھر دے۔ اُس کی تو اوڑھنی تک دنیا اور جو کچھ اُس میں ہے، اُس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ (بخاری، رقم 6111)

— 3 —

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو تکلیف دیتی ہے تو آہو چشم گوریوں میں سے اُس کی بیوی کہتی ہے: اللہ تجھے ہلاک کرے، اِس کو تکلیف نہ دے، یہ تو تیرے پاس مہمان ہے، قریب ہے کہ یہ تجھے چھوڑ کر ہمارے پاس آجائے گا۔ (مسند احمد، رقم 21528)

ڈاکٹر شہزاد سلیم

لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب

— علمی اور دعوتی خدمات سے متعلق استاذ، اعزہ اور رفقا کا اظہار خیال —

خطاب: محمد حسن الیاس

ترتیب: شاہد رضا

کاروانِ عزیمت کا سرخیل

—— ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے موقع پر ——

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی محمد الامین، فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

عزیزان گرامی قدر،

آج کی اس تقریب کا مقصد ہمارے عہد کے ایک بڑے عالم اور مدرسۂ فراہی کی روح رواں جناب ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب کو ان کی زندگی بھر کی مساعی، ان کے خلوص، ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں خراج تحسین پیش کرنا ہے۔ اس تقریب کا جو محرک ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس کو بھی واضح کروں تاکہ اس کی معنویت لوگوں تک پہنچ سکے۔ اللہ تعالیٰ کی اس کائنات میں آپ کو ہر جگہ اختلافات نظر آتے ہیں؛ لوگوں کے چہرے، صورتیں، رنگ و روپ، صوت و آہنگ اور اسی طریقے سے صلاحیتوں میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔

اللہ کی اس دنیا میں نظام ایسا بنایا گیا ہے کہ بعض لوگوں کو اللہ کچھ غیر معمولی صلاحیتیں دے کر بھیجتے ہیں؛ وہ رہنمائی کے منصب پر فائز ہوتے ہیں، وہ معلمین ہوتے ہیں، محققین ہوتے ہیں، مجتہدین ہوتے ہیں، علما ہوتے ہیں، ناصح ہوتے ہیں، خیر خواہ ہوتے ہیں، لیڈر ہوتے ہیں، سیاست دان ہوتے ہیں، رہبر و رہنما ہوتے ہیں۔ صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کی جاتی ہیں، ودیعت کی جاتی ہیں اور یہ صلاحیتیں جہاں ایک بہت بڑی نعمت ہوتی ہیں، اللہ کا احسان، فضل، کرم،

احسان، انعام ہوتی ہیں، وہیں ایک بہت بھاری ذمہ داری اپنے ساتھ لے کر آتی ہیں۔ اس دنیامیں دو ہی طرح کے طبقات ہوتے ہیں: ایک وہ جو رہبری کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو رہبری قبول کرتے ہیں۔ جن لوگوں کو یہ صلاحیتیں نہیں ملتیں، اللہ کا ان پر بھی بڑا غیر معمولی احسان ہوتا ہے، اس لیے کہ محرومی بہت ساری صورتوں میں خود ایک بڑی نعمت بن جاتی ہے، لیکن جب آپ کو اللہ صلاحیت دے تو پھر امتحان بھی سخت ہوتا ہے، ذمہ داری بھی سخت ہوتی ہے۔ اس ذمہ داری کو نبھانے والی شخصیات تاریخ کے صفحۂ ہستی پر اپنے نقوش قائم کرتی ہیں، نسلوں کی تربیت کا باعث بنتی ہیں اور قوموں کی تقدیر اور زندگی کو بھی بدل دیتی ہیں، اور یہی باصلاحیت لوگ اگر اپنی ذمہ داری کو نہ پہچانیں تو یہ قوموں کی ہلاکت کا باعث بھی بن جاتے ہیں، کیونکہ ان کے بعض اشاروں سے، ان کے بعض نظریات و افکار سے ملت اور نسلیں تک متاثر ہوتی ہیں۔ تو بڑی صلاحیت کا ہونا یہ محض خدا کی ایک عنایت کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑا امتحان ہے، ایک بہت بڑی آزمایش ہے۔ وہ لوگ بہت زیادہ خراج تحسین وہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں جن کو یہ صلاحیتیں اللہ نے دی ہیں اور وہ ان کا صحیح اور درست استعمال کرتے ہیں۔ اور دنیامیں خدا کی اسکیم یہ ہے کہ انسان کو جب کوئی صلاحیت ملتی ہے تو انسان استکبار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان اس صلاحیت کو اپنی برتری اور زعم کا باعث سمجھ لیتا ہے۔ روے زمین پر اللہ تعالیٰ نے یہ کام جب پیغمبروں کی قوموں کے ساتھ کیا تو اس کی تاریخ بھی ہمارے سامنے ہے کہ جیسے ہی ان کو کوئی منصب ملا، کوئی صلاحیت ملی، کوئی برتری ملی تو بجاے اس کے کہ وہ اس کو اللہ کی نعمت سمجھ کر احساسِ ذمہ داری کے ساتھ اس کو ادا کریں، وہ اسی کو اپنے لیے باعث فخر اور تمرد اور تکبر سمجھ لیتے ہیں۔

ایسے لوگ جنھوں نے اپنی زندگی کو خلوص، جدوجہد، محنت اور محبت کے ساتھ لوگوں اور نسلوں کی تربیت کے لیے وقف کر دیا، وہ لوگ بہت غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں، اور ہماری کوشش اور خواہش یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو دنیا کا تعارف بھی ہو اور دنیا کو ان لوگوں کا تعارف بھی ہو، اور ان کی خدمات کو بھی سراہا جائے۔ بڑی محرومی ہوتی ہے کسی قوم کی، کسی ملت کی اور پھر ان کے اجتماعی نظم اور اداروں کی کہ وہ ان افراد کی قدر وقیمت کو نہیں پہچانتے۔ مادیت کی اس دنیامیں لوگوں کی ویلیوز (values) اور قدر وقیمت ان کے tangible benefits (ظاہر فائدوں) سے طے کی جاتی ہے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ غامدی صاحب کا جو مدرسۂ فکر ہے، اس کے اندر امت

کے ہر طبقۂ فکر کے جو بڑے افراد گزرے ہیں، ان کی اہمیت کو دنیا تک پہنچایا جائے۔ چنانچہ جب آپ اس ادارے کے اندر داخل ہوتے ہیں تو آپ کے دائیں بائیں لگی تصویریں یہ پیغام دیتی ہیں کہ کسی بھی مدرسۂ فکر میں تعبیرات کا اختلاف ہو سکتا ہے، نقطۂ نظر کا تفاوت ہو سکتا ہے، لیکن امت کے تمام بڑے لوگ ہمارے محسنین ہیں، ہمارے مربی ہیں اور ہم ان سب کی اسی درجہ عزت کرتے ہیں، جتنا اپنے اکابرین اور اپنے بزرگوں کی کرتے ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ پیغام بھی کہ ہم لوگ دین کے خدام کی حیثیت سے مذہب پر غور وفکر کے لیے مختلف اداروں میں جمع ہوئے ہیں تو ان اداروں کے اندر بھی یہ سپرٹ (spirit) ہمیشہ کار فرما رہنی چاہیے کہ ہم کوئی گروہی تعصب، کوئی مسلکی شناخت، کوئی فرقہ دارانہ برتری قائم کرنے کے لیے یہاں نہیں آئے اور نہ ہم پہلے لوگ ہیں جو دین کی خدمت کے لیے اٹھے ہیں۔

یہ امت کی تاریخ کی ایک جاوداں، ایک زندہ، ایک درخشاں اور روشن تاریخ ہے، جس کے تسلسل میں ہم کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ فقہ و تدبر ہی کا منہاج ہے، جس کو مدرسۂ فراہی یا دبستان غامدی یا افکار اصلاحی آگے بڑھاتا ہے۔ ہمارے ہاں، بالعموم جو لوگ غامدی صاحب سے متاثر ہوتے ہیں، ان کی چیزوں کو سنتے ہیں، ان کے ذہن میں جو تصویر بنتی ہے، وہ یہ ہے کہ جیسے روایت کے مقابل میں ایک نیا منہاج کھڑا ہو گیا ہے؛ یہ بالکل غلط تصویر ہے۔ ہم ہر ہر سطح پر اس کی مکمل نفی بھی کرتے ہیں اور اپنے حلقۂ ارادت کو یہ بتانے کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ امت کی جو تاریخ ہے، جو روایت ہے، ہم اسی کے تسلسل میں کھڑے ہوئے ہیں۔ ہم کوئی منفرد، کوئی نیا ایسا زاویہ پیش نہیں کر رہے کہ جس سے لوگ واقف نہیں ہیں؛ وہی ٹولز (tools) ہیں، وہی پیرامیٹرز (parameters) ہیں، وہی پروٹوکولز (protocols) ہیں۔ ان میں اطلاق کے اختلافات سامنے آتے ہیں تو ہمارے اداروں کا بھی یہی مقصد ہے، ہماری تحریک کا بھی یہی مقصد ہے کہ اس وقت اگر ہمیں مدرسۂ فراہی کے اصولوں پر اطمینان ہے تو اس کی ترویج کریں، اس کی دعوت دیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ تمام امت کا جو تاریخی علمی ذخیرہ ہے، اس سے استفادہ کریں اور لوگوں کو اپنے ذہنوں کو بند کرنے پر مجبور نہ کریں۔ جو کوئی ہمارے ادارے میں داخل ہو، اس کے اندر یہ احساس اجاگر ہو کہ ہم یہاں پر اپنے آپ کو کسی کا مرید، کسی کا مقلد اور کسی سے متاثر ہونے کے لیے نہیں آرہے، بلکہ ہم تلاش حق کی جستجو کے مسافر ہیں، اور وہ حق اگر آج ہمیں غامدی صاحب

کے افکار میں نظر آتا ہے تو اس تک اپنی رسائی کو ممکن کریں گے۔ کل اس پر تنقید ہو گی تو یہی ادارے ان شاء اللہ انھی مجلسوں میں، انھی اداروں میں، انھی کے علما، سب مل کر غامدی صاحب کے افکار پر بھی تنقید کریں گے۔ ہم ان کو یا اس مدرسۂ فکر کے کسی شخص کو معصومیت کے کسی درجے پر فائز نہیں سمجھتے۔ تو یہ ہماری اس موومنٹ (movement) اور اس تحریک کا سر رشتہ ہے، اس میں افراد کی غیر معمولی اہمیت ہے اور ان افراد کے افکار کو بھی انھی کریٹیکل (critical) پس منظر میں ہم پرکھتے ہیں۔

یہ چیز پیش نظر رہے کہ جب فرد کی توقیر ہوتی ہے، اس کی حشمت و تحسین ہوتی ہے تو یہ کوئی شخصیت پرستی نہیں ہے، بلکہ اس کی فکر کی تحسین ہے۔ جہاں تک فکر ہے تو وہ رواں دواں دریا کی طرح ہے؛ آج ایک جگہ ہے، کل دوسری جگہ ہے، یہ سب بدلتی جائے گی۔ تو اس پس منظر میں آج اس تقریب کا انعقاد کیا گیا ہے۔ غامدی صاحب کا یہ جو فکر ہے، یہ جو تحریک ہے، یہ جو دعوت ہے، اس کو کم و بیش پچاس سال ہونے کو آ رہے ہیں۔ اس دعوت کے اولین رفقا میں سے ایک رفیق جناب ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب ہیں۔ ان کے کارہاے نمایاں، ان کی مساعی، ان کی خدمات سے آپ سب لوگ واقف ہیں۔ ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ اس ادارے میں ایک شخص جس نے اپنی پوری زندگی بہت ہی اخلاص اور بڑی محبت کے ساتھ ایک مشن کو دی ہے، اس کے اس اپنے آپ کو وقف کرنے کو ہم سیلیبریٹ (celebrate) کریں، اور اپنی نسلوں کو اور اپنی تاریخ کو بھی یہ پیغام دیں کہ لوگوں کو زندگی میں سراہنا سیکھیں۔

ہمارے ہاں ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو مرنے کے بعد سراہا جاتا ہے۔ ہمارے ممدوح و مخدوم مولانا وحید الدین خان صاحب کا بڑا معروف جملہ ہے کہ تاریخ کے پیغمبر کو تو سب مانتے ہیں، وقت کے پیغمبر کو کوئی نہیں مانتا۔ تو یہ امتِ مسلمہ کی بھی بڑی محرومی ہے کہ ہم اپنے عہد کے بڑے اذہان، بڑی آوازوں، بڑے افکار کی کبھی قدر افزائی نہیں کرتے۔ معاصرانہ چشمک کے اس دور میں کبھی ان چیزوں کو ان کی اوریجنلیٹی (originality) میں اپریشیٹ (appreciate) نہیں کرتے۔ ایک اور زاویہ بھی ہوتا ہے کہ بہت لوگ اس کو معیوب سمجھتے ہیں کہ بھئی، یہ تو اپنے ہی حلقے کے لوگ ہیں، ان کی عزت و تکریم کر رہے ہیں تو میں یہاں پر بہت ہی اعتماد سے اور پورے فخر سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ہمارے لیے باعث شرف ہے کہ ہم اپنے اساتذہ،

اپنے بزرگوں کی توقیر، ان کی حشمت، ان کی لیاقت سے دنیا کو بھی متعارف کرائیں اور ان کو بھی یہ پیغام دیں کہ ہمارے دلوں میں ان کی بہت قدر ہے، اور ان کی یہ قدر محض کوئی مفادات یا وقتی فائدوں کی نظر سے نہیں، بلکہ ان کی تاریخ کی وجہ سے ہے، ان کے کردار کی وجہ سے ہے، ان کے تسلسل کی وجہ سے ہے۔

ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری نسلوں کو یہ پیغام جائے کہ یہ جو ادارہ ہے، یہ جو موومنٹ ہے، یہ اپنے تسلسل میں کھڑی ہوئی ہے۔ اس کی بڑی جاوداں روایتیں ہیں۔ اس کے اندر ایسے روشن ضمیر پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے کردار سے اس کو آگے بڑھایا ہے۔ ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب انھی عظمتوں کی داستان کے سرخیل ہیں۔ میرے لیے یہ چیز بہت باعث تشکر ہے کہ مجھے یہ موقع مل رہا ہے کہ اس ادارے میں ہم ان کی خدمات کا باقاعدہ اعتراف کریں اور ان کو سینتیس سال کے اس طویل سفر کے بعد، کم و بیش چالیس کتابوں کی تصنیف کے بعد اور بے شمار زندگی کے مراحل کے گزرنے کے بعد ان کی استقامت کو خراج تحسین پیش کریں۔

شہزاد صاحب کی علمی خدمات اور محاسن سے لوگ واقف ہیں۔ خود ذاتی طور پر اس مدرسے سے میرا تعارف 2009ء میں باقاعدہ طور پر ہوا؛ جب میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اب مجھے اقدام کر کے ان کے کسی ادارے میں قدم رکھنا چاہیے۔ اس وقت میں جامعۃ الرشید کراچی میں درجۂ رابعہ کا طالب علم تھا۔ تو 2009ء دسمبر کی یہ بات ہے، بہت ہمت کر کے اور بڑا حوصلہ باندھ کر میں نے پہلی دفعہ کراچی جیبیز ہوٹل (Hotel Jabees) میں قدم رکھا اور وہاں سب سے پہلے ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب ہی ہیں جن سے میری ملاقات ہوئی۔ مجھے آج بھی یاد ہے، ”کیمیائے سعادت“ جو امام غزالی کی کتاب ہے، اس پر مبنی ایک ورکشاپ وہ کرا رہے تھے، اور اس ورکشاپ کے بعد ان سے پہلی دفعہ تعارف ہوا۔ ہم بالکل اپنی مدرسے کی بود و باش میں تھے اور ابتدائی سا تعارف تھا۔ ایک خوف بھی تھا، ڈر بھی تھا کہ پتا نہیں، یہ کیا نیا حلقہ ہے، کس طریقے کے یہ لوگ ہیں، کیسے یہ لوگ کام کرتے ہیں۔ تو وہ پہلی ملاقات جس وقت ان سے ہوئی تو اس کے خاتمے کے بعد انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے اپنا تعارف کرایا۔ ان کی شام یا رات کی فلائٹ تھی۔ شہزاد صاحب نے اتنا اعتماد کیا کہ وہ کلاس سے فارغ ہوئے اور کہا کہ چلیں، اب میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں اور شام کو میری فلائٹ ہے، مجھے ڈراپ کر دیجیے گا۔ تو مجھے آج بھی یاد

ہے کہ ہم نے پہلی ملاقات میں پورا دن ساتھ گزارا، ہم ساحل سمندر پر بیٹھے۔ اس کے بعد میں ان کو اپنے مدرسے لے گیا، وہاں پر ہم پھرتے رہے۔ اور وہ پہلی ملاقات ہی تھی جس نے اس مدرسۂ فکر کا جو عملی پہلو ہے، اس سے میرا تعارف کرایا اور مجھے یہ اندازہ ہوا کہ اس مدرسۂ فکر کے اندر محض علم نہیں ہے، بلکہ اصل چیز کردار ہے، عمل ہے، صداقت اور سچائی ہے۔

2009ء اور آج 2025ء ہونے کو آرہا ہے؛ کم و بیش سولہ سترہ سال شہزاد صاحب سے روزانہ کی بنیاد پر تعلق ہے، بات چیت ہے، معاملات ہیں اور کرائسز بھی آئے اور مشکلات بھی آئیں، لیکن اگر آپ مجھ سے پوچھیں کہ ان کا سب سے بڑا وصف، سب سے بڑی خدمت کیا ہے؟ لوگ بہت ساری کتابوں کا بھی نام لیں گے تو میں پوری سچائی کے ساتھ یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر کوئی ایک چیز بیان کروں گا تو وہ یہ ہے کہ ان سولہ سالوں میں میں نے کبھی ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب کی زبان سے کسی شخص کے بارے میں کوئی منفی کلمہ نہیں سنا۔ یعنی یہاں تک بھی ہوا کہ ہمیں خود مشاہدہ ہوا کہ بڑے پیمانے پر لوگوں نے ان کے ساتھ بڑی بڑی زیادتیاں کر دی ہیں اور بڑا بڑا ظلم کر دیا ہے، لیکن کبھی ہم نے ان کی زبان سے کسی شخص کے بارے میں، کسی ادارے کے بارے میں، کسی طبقے کے بارے میں کوئی ایک منفی کلمہ کبھی نہیں سنا۔ تو میرے خیال سے یہ ان سینتیس سالوں میں اگر انھوں نے کوئی اور علمی کام نہ بھی کیا ہوتا اور اگر یہ ایک ہی خدمت ہوتی، اس کو ہی برقرار رکھتے تو ہمارے دلوں میں ان کی یہی قدر و قیمت اور عزت ہوتی۔

یہ ہمارے ادارے کی خوش نصیبی ہے، خوش قسمتی ہے کہ ہم اس تقریب کا انعقاد کر رہے ہیں۔ اس کے پس منظر میں ایک سوچ، ایک فکر کارفرما ہے۔ اور میری جو اجتماعی کوشش ہے اس ادارے کو آگے بڑھانے کی، اس میں میں اس تنبیہ اور اس تحذیر کو ہمیشہ دامن گیر رکھتا ہوں اور رکھوانے کی سعی کرتا ہوں کہ دنیا بھر میں جب مذہبی افکار کی تائید اور نصرت میں ادارے وجود پذیر ہوتے ہیں تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ادارے خود مقصد بن جاتے ہیں۔ وہ ادارہ ہی اول ہوتا ہے، ادارہ ہی آخر ہوتا ہے۔ ادارے کا ہدف، ادارے کی مالیات، ادارے کے فوائد، ادارے کا روپ، ادارے کے لوگوز (logos)، ادارے کی منزل اور ادارے کی ستایش اور پذیرائی لوگوں کا ہدف اور نصب العین بن جاتا ہے، لیکن ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں کہ جب ان اداروں سے افراد رخصت ہوتے ہیں تو بڑی بڑی تحریکیں، بڑی بڑی عظمتیں، بڑی بڑی عمارتیں، بڑے

بڑے ادارے قبرستان کا روپ پیش کرتے ہیں۔ تو یہ ادارے افراد پر مشتمل ہیں اور ان افراد کی نصرت اور تائید کے لیے لوگ رضاکارانہ خدمات پیش کرتے ہیں۔ یہ ترتیب ہمیشہ درست رہنی چاہیے؛ جس دن اس ترتیب کو پلٹنے کی، الٹنے کی کوشش کی جائے گی تو یہ ادارے اسی طریقے کی ترقی معکوس کا شکار ہوں گے، جیسے دنیا بھر کے مذہبی دینی ادارے ہمیں نظر آتے ہیں۔

افراد کی اہمیت ہے، افراد کی مدد ہے، افراد کی تائید ہے، افراد کا ویژن (vision) ہے، افراد کا نصب العین ہے، افراد کا لائحۂ عمل ہے اور افراد وہ ہیں جو اس تحریک کو پیدا کرنے والے ہیں، اس کو لے کر چلنے والے ہیں، اس فکر کے علما ہیں، اس فکر کے اکابرین ہیں۔

آخر میں بس یہ عرض کر دوں کہ اس ادارے کے اندر ہماری ایک ہی کوشش ہے کہ جتنے غامدی صاحب کے رفقا ہیں، جتنے تلامذہ ہیں، ان کی خدمت پر مامور ہو کر اور بغیر کسی اس چیز کے اور اس جذبے کے کہ شاید یہ کوئی ان کے اوپر ہمارا کوئی احسان ہے، یہ انھی کی بنائی ہوئی بستی ہے، یہ انھی کی محنت سے معاشرے کا ایثار ہے، جس کو ان تنظیموں کی صورت میں ان کی خدمت پر مامور کر دیا گیا ہے۔ اسی جذبے کے ساتھ، ان شاء اللہ، خدمت کا یہ عمل جاری رہے گا۔ أقول قولی هذا و أستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین.

خطاب: مکرم عزیز*

ترجمہ و ترتیب: معظم صفدر

خدمتِ قرآن کے 37 برس

—— ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے موقع پر ——

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

سب سے پہلے میں جناب جاوید احمد صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جنھوں نے اس تقریب میں شرکت فرمائی۔ میں ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب کو ہمارے ادارے میں تشریف آوری پر خوش آمدید کہنا چاہتا ہوں۔ اس علمی نشست میں ڈاکٹر شہزاد صاحب کی میزبانی کا موقع ملنا ہمارے لیے باعثِ اعزاز ہے۔اسی کے ساتھ، میں اپنے ادارے کے قابل فخر اہل علم حضرات، جو یہاں موجود ہیں یا آن لائن شریک ہیں، انھیں خوش آمدید کہتا ہوں۔

اس کے بعد میں ادارے کے بورڈ ممبران کو خوش آمدید کہنا چاہتا ہوں۔ ہمارے وائس چیئر علی صاحب یہاں موجود ہیں۔ اسی طرح جنرل باڈی کے کئی اراکین بھی تشریف فرما ہیں اور بعض آن لائن شریک ہیں۔ ہمارے ایگزیکٹو ڈائریکٹر فرحان سید صاحب اور ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ کمیونیکیشن حسن الیاس صاحب کو بھی خوش آمدید کہتا ہوں۔

خواتین و حضرات! آج کی یہ نشست صرف ایک عالم یا ایک محقق کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ ایک زندہ علمی روایت کو سراہنے کے لیے ہے۔ میرے لیے یہ نہایت

---

* چیئر آف دی بورڈ، المورد، امریکہ۔

مسرت اور اعزاز کی بات ہے کہ میں ادارۂ ''المورد'' امریکہ اور پورے ادارے کی جانب سے ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب کو لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ پیش کرنے کی اس سعادت میں شریک ہوں۔ وہ شخصیت جن کی انکساری ان کے علم جتنی ہی گہری ہے۔

شہزاد صاحب کی 37 برس کی علمی جدوجہد ہے۔ ایسے برس جن میں بے شمار اہم تصانیف سامنے آئیں، قرآن کی تاریخ کو علمی تحقیق اور سچائی کے جذبے سے اجاگر کیا گیا۔ یہ 37 سال دراصل مولانا فراہی، مولانا اصلاحی اور جاوید احمد غامدی صاحب کی علمی روایت کو ایسی زبان میں منتقل کرنے کے ہیں، جس سے پوری دنیا اس سے فیض اٹھا سکے۔

میں بھی آپ سب کی طرح براہِ راست اس علمی خدمت سے استفادہ کر رہا ہوں۔ ''میزان'' سے ''البیان'' تک، ''تدبر قرآن'' سے ''الاسلام'' تک، ڈاکٹر شہزاد سلیم کا قلم روایت اور عہدِ حاضر کے درمیان ایک پل کے مانند رہا ہے۔

یہ 37 سال ایسے ہیں جن میں خود نمائی کے دور میں بھی شہزاد سلیم صاحب نے اپنے کام کو اپنی پہچان بنایا۔ وہ بوجھل علمی بار اٹھاتے رہے، مگر کبھی شہرت کی تلاش میں نہیں رہے۔ یہ 37 سال قرآن کے صرف الفاظ یا پیغام نہیں، بلکہ اس کی حقیقی روح کے ساتھ جینے کے ہیں۔ یہ 37 سال لیکچرز، مضامین، آن لائن کورسز اور قرآنی کورسز نیز ورکشاپس کے ذریعے سے دنیا بھر میں ہزاروں دلوں اور ذہنوں کو بدلنے والی خاموش تربیت اور مسلسل رہنمائی کے ہیں۔ یہ 37 سال تکبر سے پاک قیادت کے ہیں۔ یہ 37 سال دکھاوے کے بغیر علمی خدمت کے ہیں۔

یہ صرف ''المورد'' کے ایک عالم نہیں، بلکہ اس کی روحِ رواں ہیں۔ یہ راستے کے معلم نہیں، بلکہ خود اللہ کی راہ کے ایک مستقل طالب ہیں۔ ایک ایسی شخصیت جنھوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ پہنچ چکے ہیں، بلکہ ہمیشہ یہ جستجو رکھی کہ وہ سچائی کے قریب تر ہوں۔

آج ہم ان 37 برسوں کو صرف کام کے برس نہیں، بلکہ اللہ اور اس کے دین کی بے لوث خدمت کے برس کے طور پر یاد کر رہے ہیں۔

آخر میں، ادارۂ ''المورد'' امریکہ کی طرف سے اور ہم سب کی جانب سے دل کی گہرائیوں سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب کے راستے کو قرآن کے نور سے روشن رکھے، ان کے الفاظ ہمارے لیے رہنمائی کا ذریعہ رہیں، ان کی خاموشی اخلاص کی پہچان بنے اور ان کی

علمی وراثت سچائی کے طلب گاروں کے لیے ہمیشہ ایک چراغِ راہ بنی رہے۔

جزاکم اللہ خیرًا۔

آپ سب کا شکریہ۔

خطاب: جاوید احمد غامدی

ترتیب: سید منظور الحسن

رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

ـــــ ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے موقع پر ـــــ

الحمد للّٰہ، الحمد للّٰہ رب العالمین. والصلٰوۃ والسلام علی محمد الامین. فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم. بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم.

خواتین و حضرات! علم و ادب میں میری پہلی دل چسپی ادبیات سے رہی ہے اور ادبیات میں دسیوں اصناف ہیں، جن میں لوگ طبع آزمائی کرتے ہیں۔ مجھے بھی کچھ سننے پڑھنے اور پھر نظم و نثر میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کا موقع ملتا رہا ہے اور میں نے بھی اِن میں سے بعض اصناف میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، لیکن جو دو اصناف کبھی میرے قریب نہیں پھٹک سکیں، اُن میں سے ایک ’قصیدہ‘ ہے اور دوسری ’ہجو‘۔ میں طبعاً مدح و تعریف کا آدمی بھی نہیں ہوں اور مجھے عیب چینی کا فن بھی کبھی نہیں آسکا۔ تاہم، پچاس سال کی پبلک زندگی میں میں بہت سی ایسی مجالس میں شریک ہوا ہوں، جن میں لوگ اپنے رفقا کے بارے میں، اپنے اساتذہ کے بارے میں، اپنے اکابر کے بارے میں اِسی نوعیت کی گفتگوئیں کرتے ہیں، جیسی میں نے آج سنی ہیں۔ جب بھی اِس نوعیت کی کسی مجلس میں شریک ہوا تو بالعموم اٹھتے ہوئے یہ خیال ہوا کہ انجمن ستایش باہمی تھی۔ لیکن آج یہ پہلی مرتبہ ہے کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ جس شخصیت کے بارے میں یہاں اظہارِ خیال کیا گیا ہے، اتنے کچھ اظہارِ خیال کے بعد بھی بہت کم رہا ہے۔ نظم و نثر میں جو کچھ ہمارے رفقا

نے کہہ دیا ہے، اُس کو اگر آپ اِس سے دگنا تگنا بھی کر لیں تو شاید کم ہی رہے گا۔

یہ حقیقت ہے کہ ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب نے اِس فکر کی جو خدمات انجام دی ہیں، وہ بڑی غیر معمولی ہیں۔ تمام جہتوں میں دیکھ لیجیے: تراجم کیے ہیں اور کم و بیش پچھلی ایک صدی کے پورے فکر کو انگریزی زبان میں منتقل کر کے لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے جو نئے حقائق سامنے آئے، اُن کی تفہیم و تبیین کی ہے — قلم سے بھی، زبان سے بھی — اُس پر بھی ایک نظر ڈال کے دیکھ لیجیے۔ ہمارے ادارے میں انتظامی خدمات انجام دی ہیں — اور یہ خدمات بڑے نازک ادوار میں انجام دی گئی ہیں۔ — اُس کی بھی ایک بڑی روشن تاریخ ہے۔ اگر صرف اُنھی دس پندرہ برسوں کی داستان سنائی جائے تو اِسی میں سویرا ہو جائے۔

اِس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو سیرت و کردار اُن کو عطا فرمایا، وہ بھی غیر معمولی ہے۔ پروردگار کی دعوت کے ساتھ اخلاص، اُس پروردگار سے سچا تعلق، دنیا میں آخرت کے احساس کے ساتھ جینا، یہ سب معمولی خصائص نہیں ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ میں جب اپنے زندگی بھر کے اثاثے پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ اگر پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو وہاں کیا پیش کروں گا؟ حوصلہ ہوتا ہے تو صرف اِس بات سے ہوتا ہے کہ شہزاد سلیم صاحب کو پیش کر دوں گا۔ میری اپنی بھی یہ آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جب اُن کے کام کی پذیرائی ہو تو اُس میں سے کچھ حصہ اِس عاجز کو بھی مل جائے تو ہو سکتا ہے کہ اُن کے پیچھے پیچھے مجھے بھی اُس بارگاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا موقع مل سکے۔

میں یہ بات پوری سچائی کے ساتھ آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں کہ اُن کی محنت، اُن کا اخلاص، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُن کا تعلق اور اُن کی سیرت اور اُن کا کردار میرے لیے ہمیشہ قابل رشک رہے ہیں اور میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے اُن کی رفاقت میسر رہی ہے۔

اِس وقت میں زندگی کے اُس مرحلے میں ہوں، جہاں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کب اُس پروردگار کا پیغام آجائے اور میں اُس کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤں۔ اِن موقعوں پر ہر شخص کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ اُس نے اگر کوئی فکر پیدا کیا ہے، کوئی علمی کام کیا ہے، کوئی روایت اپنے پیچھے چھوڑی ہے تو اُس کے امین اُس کے پیچھے اُس روایت کو قائم رکھ سکیں۔ میں پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اگر کوئی گلاب کی چند پتیوں پیدا کرنے کی سعی کی ہے تو یہ میں نے

اُن کے ہاتھ میں دے دی ہیں اور مجھے پورا اطمینان ہے:

کہ گل بدستِ تو از شاخ تازہ تر ماند [1]

یہ حقیقت ہے کہ ہمارے ہاں جو پچھلے تیس پینتیس سال کی جد و جہد ہے، اُس میں —— اگر تمثیل کے اسلوب میں کہا جائے تو —— رزم کے مواقع بھی ہیں اور بزم کے مواقع بھی ہیں اور شہزاد سلیم صاحب کے بارے میں یہ بات خوفِ تردید کے بغیر کہی جاسکتی ہے کہ:

رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

اللّٰهم أَرِنَا الحَقَّ حقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ وَأَرِنَا البَاطِلَ بَاطِلاً وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ.

---

[1] ۔ کہ پھول تمھارے ہاتھ میں آکر شاخ سے بھی زیادہ تر و تازہ ہو جاتا ہے۔

خطاب: سید منظور الحسن

وفا کیش ندیم

ــــ ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے موقع پر ــــ

کوئی پینتیس چالیس سال پہلے استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی نے جب یہ کہا کہ ”مرے ندیم میں شہر جنوں میں تنہا ہوں“ تو کئی نوجوانوں نے اُس پر لبیک کہا۔ یہ سبھی نوجوان اخلاص و محبت اور علم و دانش کے پیکر تھے۔ برس ہا برس کی رفاقت کے بعد اِن میں سے ہر کوئی کسی نہ کسی پہلو سے نمایاں ہوا۔ کوئی علم و فضل میں آگے بڑھا، کوئی عقل و دانش میں قد آور ہوا، کوئی تعلیم و تعلم میں ممتاز ہوا، کسی نے تحقیق کے میدان میں ترقی کی، کسی نے انشا پردازی کا مظاہرہ کیا، کسی نے انتظامی صلاحیتوں کا جوہر دکھایا، کوئی للّٰہیت اور زہد تقویٰ میں نمایاں ہوا۔ اِن سب میں ایک شخص البتہ ایسا ہوا، جو اِن تمام صفات کا بہ یک وقت حامل قرار پایا۔ یہی وہ شخص ہے، جسے زمانہ ڈاکٹر شہزاد سلیم کے نام سے جانتا ہے۔ معلم بھی، مصنف بھی، محقق بھی، مدبر بھی، منتظم بھی، گویا سبھی دائروں میں وہ درجۂ کمال پر فائز رہے۔ امام فراہی کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ جب لوگ اُن سے ملتے تو یہ فیصلہ نہ کر پاتے کہ اُن کا علم تقوے سے زیادہ ہے یا تقویٰ علم سے بڑھ کر ہے۔ شہزاد سلیم صاحب سے ملنے والوں کا معاملہ بھی یہی ہے۔

اصل میں اداروں کی تاریخ میں دو طرح کے لوگ سامنے آتے ہیں ایک وہ جو اداروں کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں اور دوسرے وہ جو خود اداروں کو جنم دیتے ہیں۔ اِن کی حیثیت اُن اداروں کے لیے بہ منزلۂ باپ ہوتی ہے۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں، جو تحریکوں اور اداروں کو اپنا خون پسینہ لگا کر پالتے پوستے، اُنھیں نشوونما دیتے اور پروان چڑھا کر اوجِ کمال تک پہنچا دیتے ہیں۔ ادارۂ ”المورد“ کی تاریخ پیشِ نظر ہو تو برادرم شہزاد سلیم صاحب کا شمار اِنھی لوگوں میں ہوتا ہے۔

”غامدی سینٹر“ کے لیے یہ فخر اور اعزاز کا موقع ہے کہ اُس نے ہماری تاریخ کی اِس عظیم شخصیت کی خدمت میں لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ”المورد یو ایس“ اور ”غامدی سینٹر“ ہماری دعوتی تاریخ میں رجحان ساز اور Trendsetter کی جگہ پر آ کر کھڑے ہو گئے ہیں اور یہ رجحان خالص دعوت و انذار اور علما کی نصرت کی ڈائریکشن (Direction) میں ہے۔ اِس پر ”غامدی سینٹر“ اور ”المورد یو ایس“ دلی مبارک باد کے مستحق ہیں۔

اِس موقع پر میں نے سوچا کہ برادرِ مکرم کی داستانِ عزیمت کے بارے میں اپنے تاثر کو چند مصرعوں میں عرض کرنے کی کوشش کروں۔ اِس میں کچھ کامیابی تو ہوئی، مگر جب نظم مکمل ہوئی تو پتا چلا کہ یہ تاثر اُن کے فرد سے آگے بڑھ کر اُن کے رفقا کو بھی شامل ہو گیا ہے۔ یعنی صیغۂ واحد کا خیال صیغۂ جمع میں تبدیل ہو گیا۔ بہ ہر حال یہ نظم شہزاد سلیم صاحب کی نذر کرتا ہوں۔

اِس کا عنوان ہے: ندیم۔ یہ عنوان استاذِ گرامی کی اُس نظم سے مستعار لیا ہے، جو اُنھوں نے کچھ ندیموں کی جستجو میں پینتیس چالیس سال پہلے کہی تھی۔ اُسی کا ایک شعر یہ ہے:

مرے ندیم کئی بار آخرِ شب میں
مرے چراغ کی لو میں بنی تری تصویر

ندیم

وادیِ شوق میں جب ہجر کی رت گدرائی
قافلے والوں نے سامانِ سفر باندھ لیا،
سار بانوں کے لیے بانگِ درا گونج اٹھی،
پھر حُدی خواں نے وہی درد کا نغمہ چھیڑا:

ہیں کوئی شہر میں دو ایک وفا کیش ندیم؟
عمر بھر ساتھ نبھانے کا جو اقرار کریں

بزم کو چھوڑ کے آمادۂ تنہائی ہوں
اجنبی بن کے رہِ دشت کو گلزار کریں
حالِ دل کہہ کے، جدا رہ کے، ستم سہہ سہہ کے
زندگی میری طرح اور بھی دشوار کریں

تادمِ مرگ رہیں صدق و صداقت کے نقیب
حق کہیں، حق کی منادی سرِ بازار کریں
رہ نوردوں کو تعصب سے گریزاں کر کے
علم و اخلاق و محبت کا طلب گار کریں

مجھ سے برہانِ خداوند کا تیشہ لے کر
قصرِ تقلید کو بنیاد سے مسمار کریں
وارثِ وِرثۂ پیغمبرِ آخر ہو کر
ذکرِ قرآن سے اِس قوم کو انذار کریں

ہم نے اِس نادِ جگر سوز پہ لبیک کہا
ہم نے اِس نغمۂ دل گیر کو ایماں جانا
اُس زمانے میں کہ جب رخ پہ مسیں بھیگتی ہیں
رنج کو چین کہا، درد کو درماں جانا

اجنبی بن کے رہے بزم گہِ عالم میں
فقر کی راہ لی اور روح کو درویش کیا
شوق نے جب بھی محبت کی گواہی مانگی
نقدِ دل نذر کیا، ہدیۂ جاں پیش کیا

پھر زمانے کی روایات بدلنے کے لیے[1]
ہم اٹھے ولولۂ علم و ہنر تازہ کیا
علم و اخلاق کے خرمن سے اٹھا کر موتی
رہ نوردوں کے لیے رختِ سفر تازہ کیا
حرف و آہنگ کیے سوزِ دروں سے لبریز
ہر رگِ ساز میں پھر خونِ جگر تازہ کیا
کوہِ فارانِ ضیا پاش کی ضو پاشی سے
خفتہ خاکسترِ مسلم میں شرر تازہ کیا

سال ہا سال اِسی جہدِ مسلسل میں کٹے
اب ذرا ضعف کے آثار نظر آتے ہیں
قافلے والوں کا تاحال سفر جاری ہے
ہم مگر نقش بہ دیوار نظر آتے ہیں

للہ الحمد، پڑاؤ کا مقام آپہنچا
ہم سبھی خاک مقیموں کا خدا حافظ ہو
اور جو راہِ محبت میں ابھی نکلے ہیں
اُن وفا کیش ندیموں کا خدا حافظ ہو

---

[1]۔اِن چار شعروں میں استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کی ولولہ انگیز غزل ”اٹھ کہ یہ سلسلۂ شام و سحر تازہ کریں“ کے اشعار سے لفظی اور معنوی مناسبت اختیار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خطاب: ڈاکٹر خالد ظہیر

ترتیب: شاہد محمود

یکسوئی میں حضرت ابراہیم کا پیرو

—— ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے موقع پر ——

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جماعت اسلامی کے ایک بزرگ تھے خرم مراد صاحب، وہ کہا کرتے تھے کہ کسی دینی، علمی شخصیت کو اگر پرکھنا ہو تو میرے نزدیک ان کی کامیابی کے لیے سب سے اہم پیمانہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے جانشین کتنے چھوڑے۔ استاذ محترم جاوید احمد غامدی صاحب اس لحاظ سے بہت نمایاں ہیں کہ ان کے شاگردوں کی ایک بڑی لمبی فہرست ہے۔ یہ سلسلہ شروع ہوا کوئی 70ء کے وسط میں ایک بیچ تھا، جس کو آپ نے پڑھایا، پھر اس کے بعد 80ء کے آغاز میں ایک بیچ تھا جس میں میں بھی شامل تھا، نعیم بلوچ صاحب بھی تھے اور دوسرے حضرات بھی تھے اور پھر 80ء کے اواخر میں جس میں ڈاکٹر شہزاد سلیم اور دوسرے کچھ احباب تھے۔ پھر اس کے بعد تو سلسلہ ایسا چلا ہے کہ الحمد للہ جس کو پنجابی میں کہتے ہیں: چل سو چل تو اللہ تعالیٰ اس کو اور موثر اور بابرکت کرے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سارے سلسلے میں، قافلے میں سب سے زیادہ نمایاں ڈاکٹر شہزاد سلیم رہے ہیں۔

یہ میں آپ کو حقیقت بتا رہا ہوں کہ جب آپ باقی دنیوی امکانات کو چھوڑ کر ایک مقصد کے لیے اپنے آپ کو devote کرتے ہیں اور آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ کے ساتھ اور لوگ بھی اسی سفر میں شامل ہیں تو مقابلے کا احساس فطری ہے، اس سے آپ بچ نہیں سکتے۔ یہ ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے اور اس میں ایسے ہی ہوتا ہے، جیسے آپ دوڑ رہے ہیں اور دائیں بائیں آپ کے کچھ

اور لوگ بھی ہیں، کچھ آگے ہیں، کچھ پیچھے ہیں۔ اس میں اس وقت بڑی آسانی ہو جاتی ہے، جب کوئی بہت آگے نکل جاتا ہے اور اس وقت انسان اپنے آپ سے کہتا ہے کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہی کام ڈاکٹر شہزاد سلیم نے ہم جیسے لوگوں کے ساتھ کیا اور بہت آگے نکل گئے۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم کے آگے نکلنے کی بہت سی وجوہات ہیں۔ ان کی جو چند خوبیاں ہیں، ان میں سے ایک وہ ہے، جو قرآن مجید نے کئی جگہ بیان کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی پیروی میں کامل یک سوئی، جس کے نتیجے میں پھر ان کے ہاں مستقل مزاجی پیدا ہوئی، جس کا ابھی ایک بیان سامنے آیا کہ انجینئرنگ انھوں نے کر لی، مگر ڈگری پانے کے لیے ان کو کوئی دل چسپی نہیں تھی۔ کبھی کوئی نوکری نہیں کی۔ انھوں نے طے کر لیا کہ مجھے یہی کام کرنا ہے۔ یہ غیر معمولی کلیئرٹی تھی ان کے اندر۔ اس کے ساتھ پھر محنت، یعنی انسانوں میں ایسے محنتی لوگ ہوتے ہیں، I am sure ہوتے ہوں گے، میں نہیں جانتا، سنا ہے کہ جنات میں ہوتے ہیں، لیکن یہ محنت ان کی کمال درجہ کی تھی۔ اس کا بھی جب میں تصور کرتا ہوں، اس کے بعد خیال یہی ہوتا ہے کہ there is no comparison اور وہ واقعی بڑی غیر معمولی چیز ہے۔

علم کی جستجو میں کوئی کسر نہیں چھوڑی انھوں نے۔ مجھے یاد ہے کہ جو بھی موقع ہوتا تھا بالکل ابتدا سے غامدی صاحب کی صحبتوں کو، ان سے سیکھنے کے مواقع کو پانے کا تو یہ سب سے آگے ہوتے تھے اور ترجمہ یہ کرتے تھے، اتنی تیزی سے کرتے تھے کہ بعض اوقات ہم مذاق میں یہ کہتے تھے کہ جاوید صاحب شاید تحریر بعد میں لکھیں گے اس کا ترجمہ پہلے آ جائے گا، یعنی اس قدر ان کے اندر شوق بھی تھا، لگن بھی تھی، it's amazing۔

اس قدر خوش مزاج آدمی کہ بس کمال ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ جب آپ ادارے میں ہوتے ہیں تو وہاں بہت سارے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے آپس میں اختلافات بھی ہوتے ہیں، ان کی مشکلات بھی ہوتی ہیں۔ مگر یہ اللہ کا بندہ بالکل الگ ہی تھا، یعنی ہر آدمی اپنے اختلاف کا، اپنی مشکل کا اظہار انھی سے کرتا تھا اور یہ ہر شخص کے مدد گار بن جاتے تھے۔ اتنے لوگوں سے بیک وقت محبت اور کمیونیکیشن کا تعلق قائم رکھنا بڑی غیر معمولی چیز ہے۔

میں انھیں لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اس ایوارڈ کے واقعی مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں بہت زیادہ کامیابی عطا فرمائے۔

خطاب: ڈاکٹر عمار خان ناصر

استاذ کا بے مثل شاگرد

—— ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے موقع پر ——

میرے لیے بہت ہی اعزاز کی بات ہے کہ میں برادر بزرگ اور بہت ہی عزیز دوست ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب کے اعزاز میں منعقد کی گئی اس مجلس میں گفتگو کے لیے مدعو ہوں۔ ان کے ساتھ میرا تقریباً بیس سال سے تو بہت ہی قریبی تعلق ہے، جب کہ تعارف اس سے بھی پیچھے چلا جاتا ہے۔ پہلی ملاقات غالباً 91ء میں ہوئی ہو گی، جب میں پہلی دفعہ استاذ گرامی کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس ملاقات میں شہزاد صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ ان کی جن علمی خدمات کا یہاں ذکر ہوا اور جن سے اہل علم، ادارے کے لوگ اور پڑھنے والے واقف ہیں، وہ تو اپنی جگہ ہیں۔ مجھے ان کے ساتھ رفاقت میں اور ان کے ساتھ تعلق میں ان کے انسانی اور شخصی اوصاف کو بہت قریب سے دیکھنے کا اور ان سے مستفید ہونے اور ان سے حظ اٹھانے کا موقع ملا، میری نظر میں وہ زیادہ قیمتی اثاثہ ہیں۔ علمی طور پر کام کا جو حجم ہے، وہ تو بہر حال نتیجہ ہے۔ شہزاد صاحب کی شخصیت میں کچھ انسانی اوصاف اور علمی اوصاف ہیں، جن کا یہ نتیجہ ہے۔ ان کا ذکر زیادہ اہم ہے۔

میں نے پچھلے دنوں ایک مختصر سی تحریر میں لکھا تھا کہ شہزاد صاحب کا سب سے زیادہ قیمتی وصف جس کی قدر دانی کرنی چاہیے، وہ ان کا استاذ کے ساتھ تعلق ہے۔ شخصی تعلق تو ہے ہی، لیکن علمی طور پر اور علمی دائرے میں انھوں نے اپنے آپ کو استاذ کے ساتھ جس رشتے میں باندھے رکھا، وہ بھی منفرد ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اپنے پورے سفر میں انھوں نے کہیں بھی استاذ کی انگلی چھوڑی نہیں۔ ان کی رہنمائی میں، ان کے ساتھ مسلسل تعلق میں اور رابطے میں رہ کر اور ہر ہر بات میں اور

ہر ہر چیز میں استاذ سے سیکھتے ہوئے انھوں نے اپنا سفر طے کیا ہے۔ یہ جو کمٹمنٹ ہے اور استاذ پر جو اعتماد ہے اور استاذ سے سیکھنے کا جو جذبہ ہے، میرے خیال میں یہ سب سے زیادہ قابل قدر ہے۔ استاذ گرامی کے حلقہ تلامذہ میں اس درجے کی وابستگی ہے، میرے خیال میں اور کسی میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔

دوسرے نمبر پر میں نے جو چیز ان کے ساتھ کام کرتے ہوئے سیکھی ہے، وہ ان کی اپنے کام کے ساتھ لگن اور خود کو کام میں گم کر دینے اور ہمہ تن اپنے آپ کو کام میں مشغول کر دینے کا جذبہ ہے۔ کام کے لیے اپنے آرام اور اپنی صحت کو بالکل تج دینا، اور کام کے پیچھے پڑ جانے کا وصف ان میں بہت غیر معمولی ہے۔ میں نے بہت کم لوگوں میں اس درجے کی یہ کمٹمنٹ دیکھی کہ وہ اپنے کام کے ساتھ اس طرح مخلص ہو جائیں اور اپنے آپ کو اس کا حصہ بنا دیں اور اس میں اتنی محنت کریں۔ جب تک ہم "المورد" میں ملتے رہتے تھے تو وقتاً فوقتاً ان کے ساتھ ملاقات میں ان کے کام کے متعلق ان سے جاننے کا موقع بھی ملتا رہتا تھا۔ پتہ چلتا رہتا تھا کہ کن چیزوں پر وہ محنت کر رہے ہیں، اور کس طرح کا مواد دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو قوت کار غیر معمولی دی ہے اور جذبہ بھی غیر معمولی دیا ہے۔

جو ان کی انسانی شخصیت ہے، وہ بالکل ہی بے مثال ہے۔ ان کی شخصیت میں بہت عجز ہے، اور انتہائی تواضع ہے۔ یہ صرف شخصی چیزوں میں نہیں ہے، بلکہ دوسروں سے باتیں سیکھنے میں، ان کا نقد سننے میں اور نقد کی روشنی میں کام کو بہتر بنانے میں بھی تواضع ان کی شخصیت کا حصہ ہے۔ اعلیٰ علمی صلاحیت کے ساتھ تواضع ایک نایاب وصف ہے، جو شہزاد صاحب کی شخصیت کا حصہ ہے۔ یہ دو تین پہلو ہیں، جو میری نظر میں اور میرے دل میں ان کے مقام کو اور ان کی وقعت کو بہت بڑھا دیتے ہیں۔

جو کام انھوں نے کیا ہے، اس کی قدر و قیمت تو سب کے سامنے ہے۔ استاذ کی فکر کو اور اس فکر کی روشنی میں جن کاموں کی ضرورت تھی، ان کو پورا کرنے میں انھوں نے جس تسلسل سے اور جس بڑے پیمانے پر اپنا حصہ شامل کیا ہے، اس لحاظ سے ادارے کا یہ فیصلہ بالکل بجا ہے۔ میں اس میں شہزاد صاحب کو بعد میں اور ادارے کو پہلے مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ اس نے اس حق اعتراف کی ادائیگی کی سبیل پیدا کی ہے۔ ادارے کو بہت مبارک باد اور ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب کو بھی دل سے بہت مبارک باد۔

خطاب: نعیم احمد بلوچ

فکر غامدی کی صبح کا ستارہ

—— ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے موقع پر ——

پاکستان کی تاریخ میں اسی (80) کی دہائی بڑی اہمیت کی حامل رہی۔ فوجی قیادت ہی سہی، مگر دس برس سیاسی استحکام کے گزرے اور وقتی طور پر ایک خاص قسم کی علمی، معاشی اور سماجی ترقی نظر آئی۔ اسی ضمن میں نوجوانوں میں دینی علوم اور مذہبی تحریکات میں خاص شغف دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کے محرکات کا جائزہ لینا اس وقت ہمارا موضوع نہیں جس میں بہت سارے منفی اور مثبت اثرات شامل ہیں۔

ان اثرات میں سب سے نقصان دہ مذہبی پہلو یہ تھا کہ جہاد کا ایک بہت ہی گم راہ کن تصور حکومتی سرپرستی میں ایک ''فیشن'' کے طور پر نئی نسل میں پھیل گیا۔ اس نے آگے جا کر پاکستان پر ہی نہیں، بلکہ پوری دنیا پر انتہائی تباہ کن اثرات مرتب کیے۔ جب کہ اس دور کا ایک محدود سا مثبت پہلو یہ ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ٹیلی وژن پر دینی علوم پر پروگرام دکھائے جانے لگے۔ ان میں سے ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے لیکچرز نوجوان نسل میں قرآن فہمی کی طرف دل چسپی کا بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوئے۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم کا شمار انھی نوجوانوں میں کیا جا سکتا ہے۔ وہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی وساطت سے قرآن کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ ڈاکٹر اسرار صاحب کے متعلقین ومتاثرین کی دو اقسام ہیں۔ ایک وہ جو اسلام کی سیاسی نشاۃ ثانیہ میں دل چسپی رکھتے ہیں اور دوسرے وہ جو علوم

اسلام میں خاص طور ہر قرآن کے فہم میں دل چسپی رکھتے تھے۔ برادرم شہزاد صاحب کا تعلق ان لوگوں سے تھا جو قرآن فہمی کے بے پناہ جذبے اور اشتیاق کے ساتھ ڈاکٹر صاحب سے متعلق ہوئے تھے۔ اور وہ دل ہی دل میں اعلیٰ سطح پر اسلامی علوم میں مہارت کو زندگی کا نصب العین بنا چکے تھے۔ یہ 1988ء کا زمانہ تھا جب ان کے ذہن میں قرآن فہمی اور دین اسلام کے بارے میں کچھ سوالات پیدا ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب کے علم کا ایک بڑا ذریعہ کیونکہ مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر ”تدبر قرآن“ تھی، اس لیے شہزاد صاحب کو توجہ دلائی گئی کہ وہ اپنے سوالات کا جواب براہِ راست مولانا اصلاحی سے کیوں نہیں حاصل کرلیتے۔ تب انھیں یہ معلوم ہوا کہ مولانا اصلاحی فاضلیہ کالونی لاہور میں آپا نثار فاطمہ (مشہور سیاست دان احسن اقبال کی والدہ اور مولانا اصلاحی کی خواہر نسبتی) کے گھر ہفتہ وار درس قرآن دیتے ہیں۔ شہزاد صاحب وہاں پہنچے۔ درس کے اختتام پر انھوں نے بہ طور خاص سوالات کرنے کی اجازت مانگی۔ لیکن انھیں یہ جان کر بہت مایوسی ہوئی کہ مولانا ثقل سماعت کے باعث انھیں آسانی سے سن نہیں سکتے۔ تب انھوں نے لکھ کر سوالات کرنے کی کوشش کی مگر بات نہ بنی۔

اس موقع پر وہاں پر ہمارے ایک دوسرے دوست انیس مفتی مرحوم موجود تھے۔ مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب وصف عطا فرمایا تھا، وہ تھا جوہر شناسی۔ ان کے ذہنِ رَسا نے شہزاد صاحب کے اندر تلاش حق کا جذبہ ہی موجزن نہیں دیکھا، بلکہ ان کی طبعی شرافت کو بھی بھانپ لیا تھا۔

انھوں نے نوٹ کیا کہ پاسِ ادب مانع ہو رہا ہے اور شہزاد صاحب زیادہ بلند بول نہیں پا رہے۔ اسی لیے مولانا اصلاحی سماعت کے آلہ کے باوجود انھیں نہیں سن سکے تھے۔ پھر جب انھیں لکھنے کا سہارا لینا پڑا تو اس ماحول میں نہ مولانا اپنے ضعفِ عمری کے سبب ان تک ابلاغ کر سکے اور نہ وہ اپنا یہ احساس ان تک پہنچا سکے کہ وہ بات پوری طرح نہیں سمجھ پا رہے۔ جیسے تیسے شہزاد صاحب نے مولانا سے بہت ضروری سوالات پوچھ لیے لیکن ان کے چہرے پر تشنگی کے واضح آثار تھے۔ تب انیس صاحب آگے بڑھے اور شہزاد صاحب کو استاد محترم جاوید احمد صاحب غامدی کے بارے میں بتایا کہ وہ مولانا ہی کے شاگرد ہیں۔ وہ اگر چاہیں تو ان سے رابطہ کر کے اس قسم کی ساری علمی تشنگی

آسودہ کر سکتے ہیں۔

پیاسے کو کنویں کا معلوم ہو تو وہ بھلا کہاں رکتا ہے۔ وہ جلد ہی ماڈل ٹاؤن، لاہور میں واقع 51-E میں غامدی صاحب کے سامنے موجود تھے اور یوں لگتا ہے کہ آج بھی وہیں بیٹھے ہیں۔

تاریخ پھر دہرائی گئی۔ جس طرح استاد محترم مولانا اصلاحی کے پاس پہنچے تھے اور انھوں نے ان سے کہا تھا کہ قرآن کا مدعا پانا اگرچہ زیادہ مشکل نہیں، لیکن قرآن شناسی چیز دیگر است۔ اس کے لیے کبھی کبھی انسان کا اپنا سایہ بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ غامدی صاحب نے چند ہی ملاقاتوں کے بعد جان لیا تھا کہ شہزاد صاحب کی تمناے بے تاب یہ قیمت چکانے کے لیے بھی تیار ہے۔ اور اس کے بعد سب کچھ تاریخ ہے۔

یہ وہ دور تھا جب 1982ء میں فورٹریس اسٹیڈیم کی ایک دکان سے چلنے والا دانش گاہ معارف اسلامی المورد کا قافلہ جگہ جگہ پڑاؤ ڈالتا، زمانے کی گردشوں کو سہتا، معاشرے کی بے اعتنائی سے نبرد آزما ہوتے ہوتے ذرا تھک کر کچھ دیر سانس لینے رک چکا تھا۔ اس دور سے ساتھ چلنے والے ہم سب دوستوں کی باقاعدہ کلاسز بے قاعدہ ہو چکی تھیں۔ اور ہر کوئی اپنے اپنے مورچے میں پناہ لے چکا تھا۔

خدا کی قدرت دیکھیے کہ انھیں دنوں کچھ دیگر بلند ہمت اور باصلاحیت طالب علم بھی شہزاد سلیم صاحب کے ساتھ ہی اس تازہ دم دستے کے ساتھ آئے تھے۔ ان میں برادرم معز امجد، جناب آصف افتخار اور جناب رؤف حیدر کے نام بہت نمایاں ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ ہم پرانے دوستوں میں شہزاد صاحب کی اس دبنگ آمد کا خاص چرچا ہوا اور مجھے ان سے خصوصی طور پر ملاقات کا بہت اشتیاق ہوا۔ میں ان کے پاس انجینئرنگ یونیورسٹی جا پہنچا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں انھیں خبردار کرنے گیا تھا۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ سول انجینئرنگ کے آخری سال میں پڑھنے والا یہ نوجوان اپنی تعلیم ادھوری چھوڑنے پر آمادہ ہو چکا ہے۔ میں بھی چونکہ ماضی میں اس طرح کا قدم اٹھا چکا تھا اور اس کے ناخوش گوار نتائج سے گزر رہا تھا، اس لیے مناسب سمجھا کہ اپنے طور پر انھیں مشورہ دوں کہ اس راہ کے لیے کوئی بھی قیمت اگرچہ زیادہ نہیں، لیکن رکاوٹوں کو بڑھانے کے بجائے انھیں کم کرنے کی حکمت عملی بھی ذہن میں رکھنی چاہیے، مگر شہزاد سلیم کے نہایت پختہ عزم اور بہت اطمینان بخش لائحہ عمل نے مجھے زیادہ بولنے نہ

دیا۔ میں یہ خوش گوار احساس لیے پلٹا کہ رکے ہوئے قافلے کا سفر پھر سے شروع ہونے والا ہے۔ پھر کچھ ہی عرصے کے بعد یہ خبر ملی کہ استاذ محترم جناب جاوید احمد غامدی کو شہزاد سلیم صاحب سمیت نئے آنے والوں کے اخلاص اور صلاحیتوں پر بھرپور اعتماد ہے۔ چنانچہ اس تازہ دم دستے کے ساتھ مل کر الطاف محمود مرحوم کے تعاون سے معارف اسلامی المورد نے ایک نئے عزم کے ساتھ منزل مراد کی طرف سفر شروع کر دیا ہے۔ الطاف صاحب غامدی صاحب کے دیرینہ دوست تھے اور دینی کاموں میں بہت کھلے دل سے مالی تعاون کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ اس مقصد کے لیے قرضہ بھی اٹھا لیتے تھے۔ ''المورد'' کے علمی قافلے کے دوبارہ آغاز میں ان کے ساتھ معز امجد، آصف افتخار اور دیگر تازہ دم احباب بھی ساتھ تھے۔ اسی دور کا ذکر کرتے ہوئے اپنے مضمون ''قافلہ در قافلہ'' میں استاذ محترم اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''87ء کے بعد ابتلا اور تعطل کا ایک زمانہ اِس (المورد) پر بھی گزرا ہے، مگر 1991ء میں ہمارے دوست الطاف محمود کی مساعی سے اِس کے احیا کے بعد، اللہ کا شکر ہے کہ اِس کے کاموں میں کبھی کوئی تعطل پیدا نہیں ہوا۔''

اپچی سن کالج میں تعلیم کی وجہ سے شہزاد صاحب کی انگریزی زبان میں مہارت نے ''المورد'' کو ایک نیا رخ عطا کیا۔ شہزاد سلیم نے انگریزی جریدے ''رینی ساں'' کا اجرا کیا۔ یہ 1990ء کا زمانہ تھا۔ اگرچہ معز امجد اور آصف افتخار بھی انگریزی کا تعلیمی پس منظر رکھتے تھے، لیکن پروردگار کی مشیت اور ان کی یہ حالت کہ

جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

یہ سہرا شہزاد سلیم کے سر بندھنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ نہ صرف ''رینی ساں''، بلکہ انھوں نے استاد محترم کی ساری کتب کو انگریزی زبان میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ چند تصانیف کو چھوڑ کر شاید ہی استاد محترم کی کوئی تصنیف ایسی ہو جس کا ترجمہ انھوں نے نہ کیا ہو۔ ''میزان''، ''البیان''، ''الاسلام'' وغیرہ۔ یہ پورے ایک ادارے کا کام تھا جو شہزاد صاحب نے تن تنہا کر ڈالا۔ عربی اور فارسی میں بھی اسی درجے کی مہارت حاصل کی جس سے انھیں یہ سارا کام کرنے میں بہت مدد ملی۔ طلب علم میں انھوں نے استاد محترم کی شاگردی اور رہنمائی میں علم کی ساری

وادیاں قطع کر ڈالیں۔

شہزاد صاحب اب "المورد" کے ناظم اعلیٰ بن چکے تھے۔ اور ان کی سرکردگی میں مادر علمی بھر پور طریقے سے اپنا کام شروع کر چکی تھی۔ میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو اسی دور میں "المورد" علوم اسلامیہ کی ایک جدید یونیورسٹی کا روپ دھارتی نظر آتی تھی۔ بہت سارے نئے طلبہ اس کے ساتھ جڑ چکے تھے۔ انھی میں ایک نمایاں نام ڈاکٹر محمد عامر گزدر کا ہے۔ ان کی نظامت کے دوران میں کامیابیوں اور کامرانیوں کے کتنے ہی باب رقم ہوئے۔ ان کا احاطہ کرنے کے لیے پوری ایک کتاب کے صفحات درکار ہوں گے۔ استاد کی علمی وراثت کو سمیٹتے ہوئے انھوں نے اپنا تحقیقی کام بھی جاری رکھا۔ ویلز یونیورسٹی یو کے سے تاریخ قرآن پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا جو اب کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم سے بڑھ کر کون یہ جانتا ہو گا کہ شبلی و فراہی کے جاری کردہ اس قافلے کو امین احسن نے "تدبر قرآن" کے ذریعے سے تناور درخت کی شکل دی تھی۔ اور جاوید احمد غامدی صاحب نے اس کی نشو و نما بھی کی اور اس کی داشت پرداخت کر کے ان بزرگوں کے اس خواب کو پورا کرنے کی ہر ممکن سعی کی کہ علم و عرفان کا یہ قافلہ پیچھے کی طرف چلتا جائے، چلتا جائے حتیٰ کہ دوبارہ صحابہ کے دور میں مل جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں صحابہ کے لیے دین کا مقصد تزکیۂ نفس تھا۔ اور آج جس طرح آشنائے حرم استاد محترم کی طرف دیکھتے ہوئے اس حیرت میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ان کا علم بڑا ہے یا ان کا کردار، اسی طرح شہزاد صاحب نے بھی اپنے استاد کی اسی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ وہ اس علمی قافلے میں بہت سے لوگوں سے بعد میں شریک ہوئے تھے، لیکن وہ سب سے آگے بڑھ گئے تھے۔ اور اتنا بڑھے کہ کسی کو انکار کا یارا نہیں۔ یہ سبقت علم اور تنظیم ہی میں نہیں تعلق خاطر میں بھی ہے۔ ادارے کے سینئر رفقا سے لے کر عام کارکن تک ان کی لیڈر شپ کو ایک خادم صادق کے روپ میں دیکھتے ہیں۔ وہ ہر اس بندے کا دکھ، تکلیف اور مشکل کرنے میں کبھی پیچھے نہیں رہے جس کا انھیں علم ہوا ہو اور جس تک ان کی رسائی ہوئی ہو۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم کی نظامت اسی حادثے کے اثرات کے تحت ختم ہوئی جس کا میں نے آغاز میں ذکر کیا تھا۔ فوجی اقتدار کا عشرہ اپنے مہلک اثرات دکھانے لگا تھا۔ جہادی کلچر دہشت گردی کے اژدہا کا روپ دھار گیا تھا اور اس اژدہے کا سب سے پہلا اور سب بڑا دشمن وہی فکر و شعور تھا

جس کے پاس اس کا سب سے موثر جواب تھا۔ ادارہ المورد!

اپنے چار رفقا کو خون میں نہلانے کے بعد استاد محترم کی زندگی بھی خطرے پڑ گئی ۔ وہ اپنا مورچہ چھوڑنے کو تیار نہیں تھے، مگر دشمن اتنا کم ظرف اور بے اصولا تھا کہ وہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پیسنے پر آمادہ تھا۔ تب استاد محترم کو ہجرت کرنا پڑی۔ اس حادثے کے بعد ''المورد'' ایک نئے روپ اور نئے رنگ کے ساتھ سامنے آیا۔ دشمن نے اس کے لیے زمین تنگ کی تھی، لیکن پروردگار نے اس کے لیے آسمان کھول دیا۔ ''المورد'' اب دنیا کے پانچ براعظموں میں اللہ کے دین کی آواز بن چکا ہے۔ شہزاد سلیم صاحب استاد محترم کے بعد واحد اسکالر ہیں جن کی المورد کے ہر ادرے سے وابستگی ہے۔ وہ ہر ادارے کی آنکھ کا تارا ہیں۔ ''المورد'' امریکہ اور جی سی آئی ایل نے ان کی بے پناہ خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے انھیں لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ دینے کے لیے جو مجلس آراستہ کی، یہ ان کے لیے محبت کا ایک ٹوکن ہے۔ ڈاکٹر عمار خاں ناصر نے کیا خوب کہا ہے کہ یہ اس ایوارڈ کی خوش قسمتی ہے کہ وہ ڈاکٹر سلیم شہزاد کے دامن میں آراستہ ہوا ہے!

اس موقع پر ایک نثری نظم ان کی نذر:

عمر بھر کی لگن\
تم نے حق کو دل وجاں سے پکارا،\
آیات کے سمندر میں\
روح کا سہارا ڈھونڈا۔\
وفا کی تلاش میں گزری عمر،\
ہر موڑ پر قرآن نے\
تمھارے قدموں کو روشنی دی۔\
آزمایشوں کی آندھیاں چلتی رہیں،\
مگر تمھارا چراغ نہ بجھا،\
یقین کی شمع\
اندھیروں کے مقابل ڈٹی رہی۔

یہ کلامِ الٰہی
تمھارے لیے صبح کا اُجالا بنا،
ہر تاریکی میں
سحر کی کرن بن کر اُبھرا۔
تمھاری آنکھوں کی بصیرت نے
دلوں کو سکون دیا،
تمھاری لگن نے
محبت کو جنون بنایا۔
دعا ہے
تم ہمیشہ روشنی میں گام زن رہو،
قرآن کا نور
تمھارے دل و جاں کو
ہمیشہ منور رکھے۔

ریحان احمد یوسفی

دورِ ابلاغ کا سالارِ قافلہ

—— ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے موقع پر ——

قرآن مجید کو ایک جملے میں بیان کیا جائے تو یہ خدا کا وہ تعارف ہے جو اس نے خود کرایا ہے۔ خدا کا یہ تعارف خدا کی نہیں، انسانوں کی ضرورت ہے۔ خدا اپنی ذات میں جیسا بلند اور اپنی صفات میں جتنا اعلیٰ و ارفع ہے، کوئی انسان اس حقیقت کا زندہ شعور اپنے اندر پیدا کر لے تو وہ خود بھی اعلیٰ و ارفع ہو جاتا ہے۔ یہی وہ رفعت ہے جس کی آخری منزل فردوسِ بریں میں خداے بے مثال کی ابدی قربت ہے۔

بد قسمتی سے ہر دور میں یہ سانحہ پیش آیا کہ پیغمبروں کی تعلیمات میں اضافہ و تبدیلی کر کے ان کے اصل پیغام، اس پیغام کی صحت (Precision) اور اس کے اصل زور (Emphasis) کو بدلا جاتا رہا۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے ختم نبوت کے ساتھ اس چیز کو یقینی بنایا گیا کہ قرآن مجید کے متن میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکے گی۔ یہی وہ خصوصی انتظام ہے جس کی بنا پر قرآن مجید آج بھی ہمارے پاس ٹھیک اسی حال میں موجود ہے جس میں خاتم الانبیا والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اسے امت کو دے کر گئے تھے۔

تاہم اضافوں کا راستہ بند نہیں کیا گیا کہ یہ فکر کے امتحان کے لیے ضروری تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن مجید نظری طور پر دین کا بنیادی ماخذ ہونے کے باوجود غیر اہم ہو گیا۔ قرآن سے باہر پائی جانے والی غیر محفوظ چیزوں کو اس کتابِ محفوظ کے متن پر ترجیح دی جانے لگی۔ اس کے جو

نتائج نکلے، ان کی ایک تاریخ اور تفصیل ہے، مگر طوالت سے بچنے کے لیے ہم ان کا ذکر رہنے دیتے ہیں۔

سر دست یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیسویں صدی کے آغاز پر اپنی مشیت سے ایک ایسی شخصیت کو پیدا کیا جس سے یہ خدمت لی گئی کہ وہ قرآن مجید کے مقام و مرتبے کو عقیدت سے بڑھ کر علم واستدلال کی بنیاد پر ثابت کرے، اس کی حفاظت کے خدائی انتظام کو واضح کرے اور اس کے فہم میں حائل خارجی رکاوٹوں کو دور کرے۔ یہ شخصیت امام فراہی کی تھی، جو بلاشبہ آیت من آیات اللہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاہم فراہی صاحب نے قرآن مجید کے حوالے سے جو غیر معمولی خدمات سرانجام دی تھیں، وہ کچھ متفرق مواد، منتشر اوراق اور عربی تالیفات ہی تک محدود ہو کر رہ جاتیں، اگر آخری زمانے میں انھیں امام امین احسن اصلاحی جیسا قابل اور نوجوان شاگرد میسر نہ آجاتا۔ اصلاحی صاحب ہی وہ شخصیت ہیں جنھوں نے فراہی کی فکر قرآن کو ''تدبر قرآن'' جیسی شاہ کار تفسیر قرآن میں بدلا اور قرآن مجید پر تدبر کے اصول و مبادی واضح کرنے کے ساتھ علوم اسلامی کی متعدد شاخوں پر ان کا اطلاق کر کے غیر معمولی نتائج فکر پیدا کیے اور اپنی دیگر تصانیف میں انھیں بیان کیا۔

اصلاحی صاحب کا کام اپنی ذات میں بہت غیر معمولی تھا اور اس نے قرآن مجید پر تدبر کے دروازے کھول دیے تھے، مگر وہ منزل ابھی بھی دور تھی جس تک پہنچنا مشیت الٰہی کے پیش نظر تھا۔ یعنی دین کے نام پر امت میں رائج پورے ذخیرے اور نظام فکر کا جائزہ لے کر اسے اضافوں سے پاک کیا جائے اور اصل دین کو بے کم وکاست دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ یہی بے آمیز دین دور شرک کے ساتھ دور الحاد کے ہر چیلنج کا جواب دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ اس خدمت کو سرانجام دینے کے لیے خدا کی مشیت نے اصلاحی صاحب کو آخری زمانے میں استاذ گرامی جاوید احمد صاحب غامدی جیسا شاگرد فراہم کیا، جس نے اس پوری فکر قرآنی کو جذب کر کے ''میزان'' جیسی غیر معمولی تصنیف لکھی۔ ''میزان'' اضافوں سے پاک اس اصل دین کا بیان ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا کو دے کر رخصت ہوئے تھے۔ غامدی صاحب اپنی زندگی میں کچھ اور نہ کرتے تب بھی تنہا ''میزان'' ہی انھیں پندرہ سو برس کی مسلم علمی روایت میں غیر معمولی مقام دلوانے کے لیے بہت ہے۔

ہم نے ابھی تک جو لکھا ہے اس کی حیثیت ایک تمہید کی ہے۔ یہ تمہید اس شخصیت کے بیان کی ہے جسے غامدی سنٹر نے اس کی خدمات پر لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہمارا اشارہ ڈاکٹر شہزاد سلیم کی طرف ہے، جو بلا مبالغہ اس ایوارڈ کے مستحق ہیں۔ ہمارے نزدیک ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب کی شخصیت کے کچھ پہلو ایسے ہیں جو انھیں جاوید صاحب کے تمام تلامذہ میں ممتاز کرتے ہیں۔

پہلی اور سب سے اہم چیز وہی ہے جہاں سے ہم نے اس مضمون کا آغاز کیا تھا، یعنی قرآن مجید خدائے بلند و عظیم کا وہ تعارف ہے جس کا درست شعور انسان کی اپنی شخصیت کو اعلیٰ و ارفع بنا دیتا ہے۔ شہزاد بھائی سے تین دہائی پر محیط اپنے ذاتی تعلق کی بنیاد پر، ہم بلا خوف تردید یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ شہزاد بھائی اپنی ذات میں ایک اعلیٰ و ارفع شخصیت کے مالک ہیں۔ اس بات کی تائید میں بہت کچھ پیش کیا جا سکتا ہے، مگر جو کچھ بھی پیش کیا جائے گا، ان کا کردار اور عمل اس سے بہت آگے ہے۔ بندے اور خدا کا تعلق بہت ذاتی ہوتا ہے اور نوافل کی سطح کی اکثر دین داری لوگوں کے سامنے نہیں آپاتی، مگر انسانوں کے ساتھ حسن سلوک، تعاون و احسان اور حسن اخلاق کے جو نمونے ان کی شخصیت میں پائے جاتے ہیں، ہمارے جیسے لوگ ایسا بننے کی بس خواہش ہی کر سکتے ہیں، اس مقام تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔

ان کی شخصیت کا دوسرا پہلو قرآن مجید کے حوالے سے ان کی غیر معمولی خدمات ہیں۔ قرآن مجید اپنے آپ کو میزان و فرقان کے طور پر پیش کرتا ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ وہ ہر دوسری مذہبی چیز پر حاکم و نگہبان ہے اور اس کی حفاظت کا اہتمام عالم کے پروردگار نے خود کیا ہے۔ لیکن قرآن مجید کے مروجہ متن کے ساتھ کچھ اور قراءتوں کو بھی قرآن مانا جاتا ہے، بلکہ اب تو عرب ملکوں میں ان قراءتوں پر مشتمل مصحف کی اشاعت اور ان قراءتوں کے ٹی وی اور سوشل میڈیا پر پھیلاؤ نے ہر معقول انسان کے ذہن میں سوالات پیدا کر دیے اور ہر معترض کے ہاتھ میں ایک سیف قاطع تھما دی ہے۔ فراہی، اصلاحی اور غامدی نے اس معاملے کو اپنے اپنے طور پر واضح کیا ہے، مگر ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب نے برس ہا برس لگا کر مسلمہ تنقیدی اصولوں کی روشنی میں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ قرآن مجید ایک ہی ہے اور اس کا متن قطعی اور حتمی ہے۔ ساتھ میں انھوں نے مسلمانوں میں رائج دیگر قراءتوں کی حیثیت اور فروغ کی تاریخ پر تفصیل سے روشنی ڈال کر ان کی

درست نوعیت کو واضح کیا ہے۔ یہ تحقیق انگریزی زبان میں ہے اور اس پہلو سے بہت مفید ہے کہ غیر اردو دان طبقے تک فکر فراہی کے ائمہ کے نقطۂ نظر کو علمی اسلوب میں پہنچانے کا کام کرتی ہے۔

ان کی شخصیت اور خدمات کا تیسرا دائرہ استاذ گرامی اور فراہی و اصلاحی کے کام کی شرح و وضاحت اور انگریزی میں اس کا ترجمہ ہے۔ شرح و وضاحت کا یہ کام وہ نظم و نثر، تحریر و تقریر اور تعلیم و تدریس کے طریقے پر کرتے ہیں۔ انگریزی کے ساتھ وہ اردو داں طبقے کو بھی اپنا مخاطب بناتے ہیں۔ ان کاموں کے لیے وہ آن لائن اور کلاس رومز سیشن، سوشل میڈیا پر گفتگو اور کتب و جرائد، ڈائیلاگ اور سوال و جواب، غرض ہر ممکن طریقہ اختیار کرتے ہیں، جو حالات و تمدن نے فراہم کر دیے ہیں۔

شہزاد صاحب کی شخصیت کا ایک اور پہلو اپنے مشن سے ان کی غیر متزلزل وابستگی، اپنے کاموں میں استقامت، تمام تر علمی مصروفیات کے باوجود لوگوں سے رابطے میں رہنے کی غیر معمولی عادت، اپنے اہداف کو متعین کر کے انھیں پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی خصلت اور متضاد نوعیت کی ذمہ داریوں کو ایک ساتھ لے کر چلنے کی مہارت وہ چیزیں ہیں جنھوں نے مل کر ایک شخص کو اپنی ذات میں ایک ادارہ بنا دیا ہے۔

یہ مضمون طویل ہو رہا ہے، وگرنہ ڈاکٹر شہزاد کے اوصاف کو بیان کرنے کے لیے بہت کچھ مواد ابھی باقی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اکیسویں صدی کے ربع اول میں جب فکر فراہی اپنے دورِ تحقیق سے نکل کر دور ابلاغ میں داخل ہوا تو جن اہل علم کو سالار قافلہ کا منصب حاصل ہوا، ان میں ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب سب سے زیادہ جامع صفات اور باکمال شخصیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں صحت و زندگی کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائیں اور ان کے علم و کردار سے امت کو نفع پہنچتا رہے۔ آمین۔

گفتگو: معز امجد

ترتیب: شاہد محمود

دینی استقامت میں میرا ہیرو

—— ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے موقع پر ——

آپ میں سے اکثر لوگ شہزاد کی علمی اور فکری کامیابیوں کو بخوبی جانتے ہیں۔ میرا اور اس کا ساتھ ہماری زندگی میں جاوید صاحب کی آمد سے پہلے کا ہے۔ ہم بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں، اور وہ میرے ماموں زاد ہیں۔

شہزاد سے مجھے سب سے بڑی تحریک اُس وقت ملی، جب اس نے مذہبی زندگی اختیار کی۔ اس فیصلے کے نتیجے میں اُس کی زندگی میں ایک مکمل انقلاب اور ہمہ گیر تبدیلی آگئی۔ یہ تبدیلی ہماری فیملی کے لیے پسندیدہ نہ تھی، کیونکہ ہم زیادہ مذہبی لوگ نہیں تھے۔ ہماری دین داری بس نماز روزے تک محدود تھی، لیکن ڈاڑھی رکھ لینا، ٹوپی پہن لینا، خاص قسم کا لباس اختیار کر لینا، میل جول بدل لینا اور اُن سماجی روایات کے خلاف جانا، جن میں ہم پلے بڑھے تھے، یہ سب ہمارے ہاں پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شروع کے دنوں میں اس کو کافی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا، یوں سمجھیے کہ اس کا یہ طرزِ عمل فیملی میں زیادہ پسند نہیں کیا گیا۔ اور یہ ناپسندیدگی خاموش نہیں تھی، بلکہ کھلم کھلا ظاہر کی جاتی تھی، اور میرے سامنے بھی تھی۔

میرے لیے اس سارے معاملے میں سب سے بڑی تحریک یہ تھی کہ شہزاد کا ردِ عمل اس سب پر—وہ اُس وقت بہت کم عمر تھا—نہایت پُر ضبط، شعوری، سوچا سمجھا اور دانش مندانہ ہوتا تھا۔ یہ چیز میرے لیے واقعی غیر معمولی تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ آخر مذہب انسان کو اتنی قوت

کیسے دیتا ہے کہ وہ سب کچھ اتنے حوصلے اور وقار کے ساتھ برداشت کرلیتا ہے؟ میرے نزدیک یہ سب سے زیادہ متاثر کن پہلو تھا اور اسی پہلو سے شہزاد میرا ہیرو ہے۔ آج بھی میری خواہش ہے کہ میں اس مقام تک پہنچ سکوں، جس پر اُس وقت وہ تھا۔

اللہ تعالیٰ اس کی زندگی میں آسانیاں پیدا کرے اور اسے اُس مقام تک پہنچائے، جس کا وہ مستحق ہے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی ابدی جنت عطا کرے اور مجھے توفیق دے کہ میں بھی وہاں پہنچ سکوں۔

گفتگو: محمد ذکوان ندوی

ترتیب: شاہد محمود

ڈاکٹر شہزاد سلیم سے وابستگی کی روداد

—— ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے موقع پر ——

یہ بہت خوشی کا موقع ہے کہ آج جناب ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب کو ان کی خدمات کے طور پر ایک اعزاز دیا جا رہا ہے۔ بہت مبارک باد۔ ان کے لیے بہت خوشی کا موقع ہے اور وہ اس کے ہر طرح سے مستحق ہیں۔ یہ ایک بہتر روایت قائم ہو رہی ہے کہ اس طرح کے لوگ، جنھوں نے اپنی پوری زندگی وقف کی ہے کسی کام کے لیے اور خدمت کی ہے تو ان کی زندگی ہی میں ان کا اعتراف کیا جائے، نہ یہ کہ جو ہمارے ہاں روایت ہے کہ بعد از مرگ تعزیتی جلسے ہوتے ہیں تو یہ روایت درست نہیں ہے، بلکہ زندگی ہی میں اس کو سراہنا چاہیے۔ یہ بہت بڑی چیز ہے، بہت مبارک باد کا موقع ہے۔ اصل میں شہزاد سلیم صاحب پہلے شخص ہیں جن کے ذریعے سے میں ”المورد“ سے اور اس پورے سلسلے سے واقف ہوا۔ ’سلسلے‘ کا لفظ یہاں پر میں تصوف کے سلسلے کے مفہوم میں نہیں بول رہا ہوں، یہ مکتب فراہی کا سلسلہ، سلسلۂ فراہی۔ اصل میں ہوا یہ کہ میں چونکہ seeker تھا، متلاشی تھا تو میرے ذہن میں مختلف قسم کے علمی سوالات ہوا کرتے تھے تو جب کہیں سے سراغ ملا کہ ”المورد“ کوئی ادارہ ہے، وہاں سے یہ سب چیزیں پوچھی جا سکتی ہیں تو پہلے میں نے ای میل حاصل کیا اور ای میل پر غالباً 2013ء کی بات ہے، پہلی بار شہزاد سلیم صاحب سے رابطہ ہوا اور مجھے حیرت ہوئی جب میں نے ان سے پوچھا کہ آپ یہ بتائیے کہ آپ کی ٹیم میں کون سا شخص ہے ایسا جس سے میں علمی فکری سوالات کر سکوں؟ اس کا نام، ای میل مجھے بتا دیجیے تو میں ان سے رابطے میں رہوں گا اور سیکھتا رہوں گا تو شہزاد صاحب نے فرمایا کہ ہماری ٹیم میں کسی بھی شخص سے آپ سوال

کرسکتے ہیں۔ میرے لیے بہت حیرت ناک بات تھی کہ اچھا ایسی ٹیم بھی موجود ہے! ورنہ عام طور پر یہ تو ہے نہیں ہمارے ہاں۔ تو بہت خوشی ہوئی اس سے اور پھر میں مسلسل ان کو ای میل کرتا رہا۔ یہ واٹس ایپ سے پہلے کے زمانے کی بات ہے اور وہ ہر چیز کا جواب دیتے تھے۔

ان کی خاصیت یہ ہے کہ ماشاءاللہ بہت ہی متعین اور مختصر انداز میں، لیکن فوراً جواب دیتے ہیں۔ یہ صفت بھی بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔ گویا کہ میں نے طالب کے طور پر ان سے سیکھا اور استفادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہت جزائے خیر عطا فرمائے، ان کی عمر میں، صحت میں، ہر چیز میں برکت عطا فرمائے۔

دوسرے نمبر پر ریحان صاحب تھے، جن سے میں استفادہ کرتا رہا اور پھر تیسرے نمبر پر ہمارے حسن بھائی تھے، ان سے ابھی تک استفادہ اور رابطہ جاری ہے۔ اس کی شکل یہ ہوئی کہ حسن صاحب کی استاذ کے ساتھ حدیث کے موضوع پر سوال وجواب کی غالباً پہلی ریکارڈنگ تھی، ان کی جب میں نے آواز سنی تو آواز بہت پر کشش تھی اور بہت کھینچ رہی تھی تو میں نے پوچھا شہزاد صاحب سے بھی اور ریحان صاحب سے بھی کہ بھائی، یہ کون صاحب ہیں، کوئی لڑکا نوجوان لگ رہا ہے تو یہ کون صاحب ہیں؟ ذرا مجھے ان کا رابطہ وغیرہ دیجیے تو انھوں نے کہا کہ یہ غالباً حسن ہیں۔ اس کے بعد پھر حسن صاحب سے میرا رابطہ ہو گیا۔

میں جو اس وقت کہنا چاہتا ہوں، وہ صرف یہ کہ شہزاد صاحب اس بات کی بہت عمدہ مثال ہیں کہ آدمی کس طرح اپنے آپ کو پہچانے اور پہچان کر اپنے متعین ہدف پر کس طرح وہ اپنا سفر جاری رکھے۔ ہم سب کو اس مثال کو اختیار کرنا چاہیے اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے کہ انھوں نے پہلے دن سے استاذ کی صحبت میں آ کر اپنے آپ کو پہچانا اور اس کے بعد اسی شاہ راہ پر اپنے آپ کو قائم رکھا اور اس کے نتیجے میں بہت اعلیٰ چیزیں ان کے قلم سے الحمد للہ آئی ہیں۔ خاص طور پر ابھی جو چیز آئی ہے ”History of the Quran“ کے نام سے، وہ بہت ہی عظیم چیز ہے۔ میں نے گزارش بھی کی تھی کہ اس کا ترجمہ بھی ہونا چاہیے، کم سے کم اردو دان طبقے تک یہ باتیں پہنچیں۔ بس مجھے اتنا ہی کہنا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر دے جو سب یہاں اکٹھا ہوئے اور ڈاکٹر صاحب کے لیے یہ چیز بہت مبارک باد کا باعث ثابت ہو۔ جزاکم اللہ۔

گفتگو: ڈاکٹر عرفان شہزاد

ترتیب: عبد الوحید

مدرسۂ فراہی میں میرے پہلے استاد

—— ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے موقع پر ——

ان بہت ہی قیمتی اور Honorable moments کے لیے میں نہایت شکر گزار ہوں کہ مجھ جیسے جونیئر رفیق کو —— رفیق بھی میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے —— اس تقریب میں گفتگو کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب جن اعلیٰ صفات کے مالک ہیں، اُن سے مجھ سمیت تمام احباب بہ خوبی واقف ہیں۔ میرے لیے یہ ایک اضافی اعزاز ضرور ہے کہ فکر فراہی میں وہ میرے پہلے استاد ہیں۔ اس فکر سے جب میرا تعارف ہوا تو ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب سے میں کم و بیش ایک سال تک مسلسل سوالات کرتا رہا اور وہ مجھے جواب دیتے رہے۔ اس دوران میں ان کا ایک ایسا رویہ میرے سامنے آیا کہ جس پر مجھے شدید حیرت ہوئی۔ ایک موقع پر میں نے ان کے جواب پر ان سے پوچھا کہ کیا یہ بات ایسے نہیں ہونی چاہیے؟ تو انھوں نے فوراً کہا: ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یعنی ان کا بغیر کسی جھجک کے فوری یہ کہہ دینا کہ آپ کی بات ٹھیک ہے۔ مجھ جیسے جونیئر طالب علم کے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ لیکن یہ ان کی شخصیت کی بہت بڑی خوبی ہے۔ الحمد للہ، میرا ان کے ساتھ طالب علمانہ تعلق آج بھی قائم ہے، میں جو سوالات انھیں بھیجتا ہوں، وہ فوراً ان کے جواب دے دیتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہم ان کے نقش قدم پر چلیں اور یہ چیزیں ہم خود بھی اپنائیں۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب کے لیے life time achievement award کا فیصلہ بہترین فیصلہ ہے۔ اگرچہ مجھے یہ یقین ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو ان چیزوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن یہ ہمارا اور ادارے کا اعزاز ہے۔ ادارے نے انھیں appreciate کیا اور ان کی خدمات کو قابل تحسین جانا اور بہت اچھی مثال قائم کی ہے۔ آخر میں، میں مبارک باد دوں گا ڈاکٹر صاحب کو بھی اور اپنے استاد کو بھی۔ بہت شکریہ۔

خطاب: فرحان سید

ترتیب: شاہد رضا

اعلیٰ اخلاق کا پیکر

—— ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے موقع پر ——

مجلس میں میرا مقام تو نہیں ہے بات کرنے کا، لیکن شہزاد صاحب سے میرا اتنا پرانا تعلق خاطر ہے، دوستی ہے، محبت ہے کہ مجھ سے رہا نہیں گیا کہ میں ان کے بارے میں کچھ نہ کہوں۔ شہزاد صاحب کثیر الجہت شخصیت ہیں اور وہ باپ بھی ہیں، بھائی بھی ہیں، بیٹے بھی ہیں، استاد بھی ہیں، اسکالر بھی ہیں، ٹرانسلیٹر (Translator) بھی ہیں، لیکن ان کے جو تین dimensions (پہلو) ہیں، جو تین سائیڈز ہیں، میں ان کو مختصر طور پر بیان کرتا ہوں:

ایک، ان کی حق اور سچ کی تلاش کے لیے عزم اور محنت ہے۔ اس کے بارے میں بہت سارے ہمارے علما بات کر رہے ہیں، وہ کرتے رہتے ہیں؛ انھوں نے عالمانہ طرز پر باتیں کیں اور ابھی مزید بھی کریں گے۔ میں بس اس کا ایک عوامی سا پہلو بیان کروں گا۔ مجھے جو واقعہ ان کا پتا ہے، وہ یہ ہے کہ جب انھوں نے اپنی UET سے انجینئرنگ کی ڈگری مکمل کی اور اس دوران میں ہی ڈپلوما ملنے سے پہلے ان کا تعلق غامدی صاحب سے ہو گیا تھا اور انھوں نے یہاں ساتھ کام شروع کر دیا تھا۔ وہ یہ ڈپلوما لینے بھی نہیں گئے ساری زندگی۔ انھی کا کوئی سٹوڈنٹ کسی ادارے میں ترقی کرتا کرتا اوپر پہنچا اور کہا کہ شہزاد صاحب، آپ کا ڈپلوما کوئی بیس سال سے پڑا ہوا ہے، کم از کم وہی لینے آ جائیں۔ آپ ان کا حق کی تلاش کے لیے فوکس دیکھیں کہ بس پیچھے دنیاوی زندگی کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا۔

دوسری چیز جو بہت نمایاں ہے ان کی شخصیت میں، وہ صلۂ رحمی اور تعلق خاطر ہے۔ دس بارہ سال مجھے بھی ہو گئے ہیں ان سے تعلق رکھتے ہوئے اور ادارے کے ساتھ بھی تعلق رکھتے ہوئے۔ میں آسٹریلیا سے لے کر پاکستان تک اور انگلینڈ سے لے کر دیگر ممالک تک جہاں بھی لوگوں سے ملا ہوں، یہ واحد شخص ہیں کہ مجھے ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جو ان سے شکایت تو کیا، ان کی تعریفوں کے پل نہ باندھے بات کرتے ہوئے۔ یہ ان کا ایک خاص وصف ہے کہ نہ کبھی کسی کے بارے میں کوئی منفی بات کرتے ہیں اور نہ ان کے بارے میں کوئی منفی بات کرتا ہے۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ یہ اس سے بھی زیادہ مشکل کام ہے کہ آپ اتنے سارے لوگوں کو اتنا زیادہ مطمئن رکھ سکیں کہ آپ کو کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ملے جو آپ کے بارے میں کوئی منفی بات سوچتا ہو یا کرتا ہو، بلکہ وہ تعریف کرتا ہو۔

اور تیسری چیز ان کا اخلاقی وجود ہے۔ میں لوگوں سے کہتا ہوں کہ میری خواہش ہے کہ میں بڑا ہو کر شہزاد سلیم بنوں اخلاقی وجود کے لحاظ سے۔ it's amazing۔ میں بلا خوف تردید یا بلا خوف الزام مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے اولین مسلمانوں میں جو لوگ تھے، جن کے اخلاقی قصے سنتے ہیں — اور میں کئی مثالیں اس کی پیش کر سکتا ہوں، میں ان کو امبیرس (embarrass) نہیں کروں گا، بس میں اشارہ کر رہا ہوں — یہ اس اخلاقی وجود کی مثال ہیں۔

عمار صاحب نے فیس بک پر لکھا تھا کہ ایسے ایوارڈ کی عزت ہے کہ یہ ان کو مل رہا ہے، میں بالکل اتفاق کرتا ہوں اس سے، لیکن یہ جو ان کے اخلاقی وجود اور ان کے تعلقات خاطر کا جو لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ ہے، مجھے یقین کی حد تک امید بھی ہے اور بڑی شدید دعا بھی ہے کہ جب روز قیامت ان کو اللہ تعالیٰ لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ دے اور ان کو آگے والے اور صالحین میں شامل کرے تو ہم سب لوگ بھی ان کے آس پاس ہی کہیں پر موجود ہوں۔ بہت شکریہ

گفتگو: حمزہ علی عباسی

ترتیب: شاہد محمود

علم کا سفیر اور دین کا مبلغ

—— ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے موقع پر ——

شہزاد سلیم صاحب کی جو شخصیت ہے اور جو کام انھوں نے کیا ہے، اُس کی بنا پر وہ بے شک اس ایوارڈ کو deserve کرتے ہیں۔ اس دنیا کے ایوارڈ تو جو ہیں، سو ہیں، وہ آخرت میں بھی ایوارڈ کے مستحق ہوں گے، انشااللہ۔

شہزاد سلیم صاحب کا جو علمی کام ہے، وہ دو پہلوؤں سے بہت اہم ہے:

ایک یہ کہ انھوں نے غامدی صاحب کے بہت سے لٹریچر کو انگریزی زبان میں ٹرانسلیٹ (translate) کیا ہے۔ اس چیز نے ہم جیسے لوگوں کے لیے—جو اتنی سخت اردو سے واقف نہیں ہیں یا جن کو انگلش میں چیزیں زیادہ بہتر طریقے سے سمجھ آتی ہیں—دین کو سمجھنے میں بہت آسانی پیدا کی۔ ان کی یہ بہت بڑی خدمت ہے کہ انھوں نے غامدی صاحب کے کام کو ایک بہت بڑی audience کے لیے آسان انگلش میں ٹرانسلیٹ (translate) کر کے accessible (قابل رسائی) بنایا۔

دوسرا ان کا کام، obviously یہ ہے کہ نہ صرف انگریزی زبان میں ٹرانسلیٹ (translate) کیا، بلکہ اس سارے کام کو لوگوں تک پہنچانے میں بھی بہت بڑا رول ادا کیا ہے۔

تیسری بات یہ کہ ان کا بات کرنے اور سمجھانے کا جو طریقہ ہے، وہ ہم جیسے عام لوگوں کے

لیے بہت ہی زیادہ آسان ہے، یعنی دین کے مشکل نالج (knowledge) کو آسان اور بڑے ہی summarize طریقے سے سمجھاتے ہیں۔

مجھ جیسے ایک non scholarly student کا بھی ان کے ساتھ بہت ہی اچھا experience ہوا کہ انھوں نے میری کتاب کو بہت ہی personalize توجہ دی اور پھر مجھے one on one بہت کچھ سکھایا، which tells you about the character of that person۔ جب بھی ان سے دین کا علم حاصل کرنے کوئی آتا ہے، خواہ وہ کوئی اسکالر ہو یا میرے جیسا عام آدمی تو اس کو پوری توجہ سے، اخلاص کے ساتھ اور بڑے seriously سنتے اور اس کو handle کرتے ہیں۔

خطاب: امتنان الٰہی*

ترتیب: شاہد محمود

ہم دردی، عزم اور استقامت کا پیکر

ـــــ ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے موقع پر ـــــ

کم و بیش چالیس سال سے شہزاد کو جانتا ہوں۔ معاف کیجیے گا، میرے لیے آپ اور تم میں فرق کرنا مشکل ہو گا۔ بہر حال کوشش کروں گا کہ شہزاد صاحب، بلکہ ڈاکٹر صاحب کہہ کر اُن کا ذکر کروں۔

یہ انجینئرنگ یونیورسٹی میں میرے کلاس فیلو تھے۔ میرا رول نمبر 29 ہوتا تھا، ان کا 14 تھا۔ اس دور کی ہماری بہت سی یادیں ہیں، جن میں زیادہ تر شہزاد کی معصومیت سے متعلق ہیں۔ اس تقریب میں ان کے اچھے اخلاق و کردار کے حوالے سے جو باتیں ہوئی ہیں، وہ بالکل درست ہیں، میں ان پر stamp لگا سکتا ہوں۔

ایک بات جو میں نے ان میں دیکھی، وہ دوسروں کے لیے ہمدردی کا جذبہ تھا۔ انسان تو انسان، اگر انھیں راہ چلتے ہوئے کوئی کتا بھی نظر آ جاتا جسے کوئی مار رہا ہو یا وہ بھوکا لگ رہا ہو، تو یہ اس کے بارے میں بھی غمگین ہو جاتے تھے۔ یہاں میں یہ واضح کر دوں کہ pets سے محبت امریکہ کے کلچر کا حصہ ہے، لیکن ہمارے پاکستانی کلچر میں کتے کی پروا نہیں کی جاتی۔

دوسری اہم بات شہزاد کا مذہبی زندگی کو اختیار کرنے کا فیصلہ کرنا اور پھر اس پر جم جانا ہے۔ یہ

---

* ڈاکٹر شہزاد سلیم کے کلاس فیلو۔

رویہ واقعی مثالی تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی کے بارے میں جو فیصلہ کیا، آج تک اس پر قائم ہیں۔ یہ واقعی قابل تعریف ہے۔ شہزاد کا تعلق جس background سے ہے، مجھے نہیں معلوم کہ آپ کو پتا ہے کہ نہیں کہ بہت پڑھی لکھی فیملی ہے، جس کو ہم اپنے ہاں ماڈرن فیملی کہہ سکتے ہیں۔ شہزاد یہ سب کچھ چھوڑ کر اُس راہ پر پوری دل جمعی کے ساتھ چلتے رہے، جسے انھوں نے راہِ راست سمجھا۔ فارسی میں میں نے کہیں پڑھا تھا: 'ایں سعادت بزور بازو نیست'۔ یہ اللہ کی بہت بڑی دین ہے۔

تیسری اہم بات ان کی commitment ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی ایسا pressure نہیں تھا کہ دینی کام کے ساتھ اس طرح وابستہ رہتے، جس طرح کہ مستقل وابستہ رہے۔ میرا نہیں خیال کہ کوئی معاشی مجبوریاں تھیں یا کوئی اور اس طرح کا پہلو تھا۔ basically خلوص، ہم دردی اور اس ادارے کے vision پر یقین تھا، جس کی وجہ سے یہ اس قابل ہوئے۔

جب یہ اس طرف آئے تو ہمارے دو تین اور احباب بھی تھے، جنھوں نے یہ راستہ چنا۔ ان میں سے واحد شہزاد سلیم صاحب ہیں، جو ماشاء اللہ ابھی تک سو فی صد اس راستے پر قائم ہیں اور اس تحریک کے ساتھ پورے عزم کے ساتھ کھڑے ہیں۔ اللہ ان کے مقام میں مزید ترقی دے اور ان کے عزم میں مزید ثبات عطا فرمائے اور یہ اسی طرح دین کی خدمت انجام دیتے رہیں۔ آمین۔

گفتگو: کوکب شہزاد*

ترتیب: شاہد رضا

عالم باعمل

—— ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے موقع پر ——

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

شہزاد کی تعریف میں علمی حوالے سے کروں یا عملی حوالے سے کروں، بہرحال دونوں حوالے سے ان کی شخصیت بھرپور ہے۔ انھوں نے اللہ کے حقوق کے ساتھ ساتھ ہر انسان کے حق کا بھی خیال رکھا ہے۔ میں اگر کبھی ان سے خفا بھی ہوتی ہوں تو دل میں ان کی تعریف ہی کرتی ہوں کہ بہرحال حق بات کہتے ہیں۔ سوسائٹی کے اندر ان کو پتا چلے کہ میں کہیں بھی کسی کے بھی کام آسکتا ہوں تو دوسرے بندے کو پتا بھی نہیں چلتا۔

جب میری ان سے شادی ہوئی تو اتنا لکھنا پڑھنا کرتے تھے کہ ہمارے درمیان شاید ہی کوئی بات ہوتی ہو۔ علمی لحاظ سے ان جیسی محنت میں نے کسی کو نہیں کرتے دیکھا؛ ماشاء اللہ، بہت زیادہ محنت کرتے تھے۔ گھنٹوں ایک ہی پوزیشن میں بیٹھ کر اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ اب تو میں اس کی بہت عادی ہو گئی ہوں۔ آپ کو ایک واقعہ سناتی ہوں کہ ہم لوگ اپنے بیٹے ابراہیم کو لینے جاتے تھے اپچی سن کالج (Aitchison College) سے۔ جب یہ گاڑی میں کاغذ پکڑ کر پروف ریڈنگ

---

* اہلیہ ڈاکٹر شہزاد سلیم۔

کرتے تھے تو ابراہیم کہتا کہ مجھے شرم آتی ہے دوستوں سے، وہ کہتے ہیں کہ تمھارے ابا تو ہر وقت پڑھتے ہی رہتے ہیں۔

میں اگر اپنے بارے میں بھی بات کروں تو میں چھوٹا موٹا جو بھی کام کرتی ہوں دین کے حوالے سے، وہ سارا کا سارا شہزاد کے تعاون کی وجہ سے ہے۔ میرا نہیں خیال کہ کسی خاتون کو اتنا ٹائم مل سکتا ہے کہ وہ اپنے گھر کے کاموں کے ساتھ ساتھ اپنے علمی کام بھی کر سکے۔ مجھے یاد ہے کہ رات کو ہماری سحری کی ٹرانسمیشن ہوتی تھی، انھوں نے مجھے کبھی نہیں روکا تھا کہ نہیں، اس ٹائم نہیں جانا، رات کو نہیں جانا؛ جب بھی مجھے کال آئی ہے تو شہزاد نے میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا ہے۔ اس لحاظ سے میں ان کی بہت زیادہ شکر گزار ہوں کہ میں جو کچھ بھی ہوں اس وقت اپنے فادر، اپنے ٹیچر اور اپنے میاں کی وجہ سے ہوں۔ زندگی میں انھوں نے میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور اپنے کام بھی انھوں نے پوری کمٹمنٹ کے ساتھ کیے۔

اب آج کل میں ان کے اندر ایک اور چیز دیکھ رہی ہوں، غالباً ان کو یہ چیز بری لگے گی کہ اب یہ بالکل درویشی کی طرف آرہے ہیں، اور درویشی میں بالکل معمولی کھانا کھاتے ہیں، دو چار کپڑے رکھے ہوئے ہیں؛ اتنی درویشی کی طرف آرہے ہیں کہ مجھے لگتا ہے کہ جیسے دنیا سے بالکل بے نیاز ہو رہے ہیں۔

میری دعا ہے، اور آپ لوگوں کی دعاؤں کے ساتھ مل کر یقیناً میری دعا میں بھی اللہ اثر پیدا کرے کہ یہ صحت و تندرستی کے ساتھ علمی میدان میں اور آگے بڑھیں اور اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ اپنی خوشیوں کے ساتھ، اپنے بیٹے کے ساتھ، اپنے دوستوں کے ساتھ اور آخر میں میرے ساتھ بھی سلامت رکھے۔

خطاب: ڈاکٹر شہزاد سلیم

ترتیب: معظم صفدر

”المورد کلچر“ ہمارا محسن

—— ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے موقع پر ——

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

سب سے پہلے تو میں صدق دل سے یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اس وقت میں شرم سے پانی پانی ہو رہا ہوں۔ یہاں، اس تقریب میں میرے بارے میں جو کچھ کہا گیا، اس پر مجھے امام غزالی کی ایک بات یاد آ رہی ہے، جو اس وقت میرے حسبِ حال ہے۔ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے عیوب کو چھپا رکھا ہے، مجھ میں بہت سی برائیاں ہیں، ان پر پردہ ڈال رکھا ہے اور اللہ نے خاص اپنی عنایت سے ایک اچھائی زیادہ نمایاں کر دی ہے۔ سو میرا معاملہ بھی یہی ہے کہ جو کوتاہیاں اور برائیاں میرے اندر رہیں، ان پر پردہ رہا اور کچھ اچھائیاں نمایاں ہو گئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان اصل میں وہ ہوتا ہے کہ جو وہ اپنے اخلاقی وجود میں ظاہر ہو۔ اس کا اظہار وہ اپنے گھر والوں کے سامنے اور اپنے قریبی رفقا کے ساتھ کرتا ہے۔ میری اہلیہ ابھی اس پروگرام میں آن لائن شریک ہیں۔ انھوں نے میرے بارے میں کچھ گفتگو بھی کی، جس میں انھوں نے میرا لحاظ کیا، ورنہ حقیقت یہ ہے —— وہ مجھے اکثر کہہ بھی دیتی ہیں، اگر وہ نہ بھی کہتیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اُن کی طرف سے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم بندے بڑے اچھے ہو، لیکن شوہر بڑے خراب ہو —— میں پوری صفائی سے یہ کہتا ہوں کہ بیٹا ہونے کے ناتے، بھائی ہونے کے ناتے اور باپ ہونے کے ناتے میں ناکام ہی رہا ہوں۔ یعنی جو ہمارے بالکل قریبی تعلقات ہوتے

ہیں، ان کے لیے مجھے جو محنت، جو سرگرمی کرنی چاہیے تھی، وہ میں نہیں کر سکا۔ اب جب کہ میں ساٹھ برس کا ہونے والا ہوں تو میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے ان رشتوں کا حق ادا نہیں کیا۔ اس کا مجھے افسوس رہے گا اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگوں گا کہ اللہ تعالیٰ اس حصے کو معاف فرما دے۔

آج، آپ جسے میری achievement کہہ رہے ہیں، اگر کوئی achievement ہوئی ہے تو یہ ایک ایسے کلچر کی وجہ سے ممکن ہوئی ہے، جو اصل میں ''المورد'' کا کلچر ہے۔ اس وجہ سے میں اپنا یہ achievement award اپنے اس ادارے کو dedicate کرتا ہوں، جس نے مجھے پروان چڑھایا اور جس نے مجھے موقع دیا کہ اگر میرے اندر کوئی صلاحیت ہے تو میں اس کا اظہار کر سکوں۔

''المورد'' 1983ء میں قائم ہوا اور پھر الحمد للہ 2015ء کے بعد امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، آسٹریلیا اور جرمنی تک پھیل گیا۔ اس کا اپنا ایک کلچر ہے، جسے میں ''المورد کلچر'' کہتا ہوں، یہاں میں اس کی چند خصوصیات آپ کے سامنے رکھنا چاہوں گا۔

1988ء میں میں غامدی صاحب سے متعارف ہوا۔ اس سے پہلے میں فیصلہ کر چکا تھا کہ دین کا طالب علم بنوں گا، لیکن اس کے لیے کوئی پلیٹ فارم نہیں تھا۔ نہ مدرسے میں جانا ممکن تھا، نہ اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد میں داخلہ میرے لیے قابل عمل تھا۔ ایسے میں جب میں استاذ غامدی صاحب سے ملا تو جو سب سے بڑا خوش گوار احساس ہوا، وہ یہ تھا کہ ''المورد'' ایک ایسی جگہ ہے، جہاں دین کا کوئی طالب علم اپنی صلاحیت اور اپنے passion کے لحاظ سے اپنا اظہار کر سکتا ہے اور اس کے مطابق دین کی خدمت کر سکتا ہے۔ یہاں کسی پر تقلید مسلط نہیں ہے۔ قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ یا دعوت، جس میدان میں دل چسپی ہے، یہاں کام کرنے کی آزادی تھی۔ اس نے مجھے بڑا حوصلہ دیا۔ میں نے قرآن کو اپنا خاص میدان بنایا اور دوسری چیزوں میں بھی کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش کی ہے اور گذشتہ 35 برس سے محنت کر رہا ہوں۔ یہ صرف اس لیے ممکن ہوا کہ ادارے نے مجھے ہر طرح سے facilitate کیا اور مجھے فیصلہ کرنے دیا کہ میں اپنی صلاحیت کے لحاظ سے دین کی خدمت انجام دے سکوں، ادارے کے وسائل میرے لیے دستیاب ہوں گے۔ اگر آپ اسے پاکستان کے کلچر میں دیکھیں کہ مذہب کو پڑھانے والا کوئی ایسا

institution ہو، جس میں آپ کے passion کی آب یاری میں وہ ادارہ facilitation کی جگہ پر کھڑا ہو اور آپ وہاں اپنے passion کے مطابق کام کریں اور وہ آپ کو وہ پلیٹ فارم provide کر رہا ہو تو یہ بہت بڑی بات ہے۔ چنانچہ مجھے وہ پلیٹ فارم میسر رہا۔

مزید یہ کہ یہاں مجھے استاذ غامدی صاحب کی شفقت ہمیشہ حاصل رہی۔ مجھے یاد ہے کہ انھوں نے اپنے سینئر شاگردوں کو depute کیا کہ وہ مجھے تعلیم دیں اور میں ان سے عربی زبان اور دیگر علوم سیکھوں۔ اس چیز نے بھی مجھے بڑا ہمت و حوصلہ دیا۔

موقع ملنا سب سے بڑی چیز ہوتی ہے، جو مجھے یہاں ملا، کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے اندر خواہش تو ہوتی ہے، لیکن opportunity نہیں ملتی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ادارے کا ہال مارک (hallmark) یہی ہے کہ یہاں passion اور opportunity دونوں ملتے ہیں، جو اس نے ہر ایک کو provide کیا۔ ہمارے جتنے بھی رفیق ہیں، جن میں سے بعض یہاں موجود ہیں اور بعض آن لائن شریک ہیں، انھوں نے جو محسوس کیا کہ جس فیلڈ میں وہ بڑھ سکتے ہیں اور جس فیلڈ میں وہ خدمت کر سکتے ہیں — خواہ وہ تحقیق، تدریس، تعلیم یا تحریر ہو — ادارے کی طرف سے انھیں وہ رستہ کھلا ملا اور ادارہ ان کی سپورٹ میں کھڑا ہوا۔ اس چیز نے میرے لیے غیر معمولی کردار ادا کیا۔ یہ کسی ایک فرد کے لیے نہیں، بلکہ جتنے بھی لوگ ادارے میں ہیں، بلاخوف تردید اس کی تائید کریں گے۔ آپ کے سامنے ان کا کام آتا رہا ہے، مزید بھی آتا رہے گا۔ انھیں بھی یہ سعادت حاصل رہی کہ وہ اپنے passion کے لحاظ سے اپنا اظہار کر سکیں۔ یہ passion culture یہاں پایا جاتا ہے۔ یہ اس ادارے کی پہلی خصوصیت ہے۔

دوسری چیز جو یہاں ملی، وہ یہ احساس تھا کہ اصل چیز انسان کا اخلاق و کردار ہے۔ اگر اس میں کمی رہ جاتی ہے تو دین کا علم اسے compensate نہیں کر سکتا۔ آپ کو good human being بننا ہے۔ یہی ہمیں استاذ نے سکھایا کہ سب سے پہلے ایک اچھا انسان بنو۔ اس کے لیے میں ہمیشہ ان کا مرہون منت رہوں گا۔ انھوں نے بہت تفصیل سے اور بہت سے مواقع پر — چاہے وہ پبلک ہوں یا پرائیویٹ ہوں — اس چیز کو ہمارے اندر hammer کیا۔ انھوں نے ہمیں یہ سکھایا کہ اصل چیز انسان کا کردار اور اس کا اخلاق ہے، جس کو ہمیں اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔ میں

اسے Moral Culture کہتا ہوں۔

Moral Culture میں ہمیں اپنے کردار کی تعمیر کرنی ہوتی ہے، اس میں ہمیں باطن میں دیکھنا ہے۔—Don't look outside, look within—۔سقراط نے اسی کے بارے میں کہا ہے: know thyself (اپنے آپ کو جان لو)۔اس کے بعد ہی یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے اندر کے انسان کو درست کر سکیں گے۔ اس کا ایک ہی طریقہ ہے، وہ ہے:self-criticism۔ آپ خود پر تنقید کر کے اپنے آپ کو بہتر کر سکتے ہیں۔ اس میں قرآن مجید سے گہرا تعلق قائم کرنا بہت ضروری ہے۔ دوسرے لوگوں کا کیا طرزِ عمل ہے، وہ کیا کر رہے ہیں، ان کی غلط روش کو اپنے لیے دلیل بنانے کے بجاے اپنی فکر کرنی ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے: عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ۔ استاذ نے ہمیشہ یہی سکھایا کہ اصل کامیابی اپنے اندر کے انسان کو سنوارنے میں ہے اور اس اندر کے انسان کو سنوارنے کا کام قرآن کرتا ہے۔ اقبال کا یہ شعر جو میں نے استاذ کی زبان سے سنا، میں آپ کو سنانا چاہوں گا:

کشتن ابلیس کارِ مشکل است
زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است
خوش تر آن باشد مسلمانش کنی
کشتۂ شمشیر قرآنش کنی

یعنی ابلیس کو زیر کرنا بہت مشکل کام ہے، کیونکہ وہ انسان کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا جاتا ہے، بہتر یہ ہے کہ اس کو مسلمان کر لو اور یہ ایسے ہو سکتا ہے کہ اسے قرآن کی شمشیر سے زیر کر لیا جائے۔

اس ادارے سے ہم نے یہی سیکھا ہے کہ علم کے ساتھ اگر کردار اور اخلاق نہ ہو تو علم بوجھ ہے۔ اپنی ذات پر تنقید، خود احتسابی اور قرآن سے وابستگی ہی اصل ترقی کا راستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن ہی اصل سرچشمہ ہے، اور تقویٰ و اخلاق ہی میدانِ سبقت ہے: وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ. آگے بڑھنے کا اگر کوئی میدان ہے تو یہ تقویٰ کا میدان ہے؛ اخلاق کا میدان ہے؛ کردار کا میدان ہے، اس میں اگر ہم آگے بڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ بھی اس میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ استاذ سے میں نے یہ سیکھا کہ اگر ہمارا ظرف اچھا ہو گا، اگر ہمارا vessel صاف اور pure

ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس میں علم انڈیل دیں گے، لیکن اگر اللہ کے نزدیک ہمارا vessel صاف نہیں ہو گا تو اللہ اس میں علم عنایت نہیں کریں گے۔ اس لیے ہمیں ہر حال میں اپنے اخلاقی وجود کو صاف اور pure رکھنا ہو گا۔ یہ دوسری چیز ہے، جو میں نے المورد کلچر سے سیکھی۔

تیسری چیز، میں نے جو المورد کلچر سے سیکھی، وہ Dialogue Culture ہے۔ آپ اسے آج سے تیس چالیس سال پہلے کے دور میں رکھ کر دیکھیں تو اس وقت آپ سمجھیں کہ بالکل اجنبی چیز تھی۔ ویسے تو پاکستان میں آج بھی مذہبی اداروں میں صورتِ حال یہی ہے کہ وہاں blind following ہوتی ہے، ادارے کے ہیڈ نے جو کہہ دیا، اس کی ہاں میں ہاں ملانا پڑتی ہے۔ ”المورد“ میں جس چیز نے ہمیں روکا، وہ یہ تھی کہ یہاں دلیل کی بنیاد پر بات ہوتی ہے، reasoning کی بنیاد پر بات ہوتی ہے۔ اسی reasoning کی بنیاد پر ہم استاذ سے اتفاق بھی کرتے ہیں اور Openly اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ Dialogue Culture کی وجہ سے یہ natural outcome ہے کہ استدلال سے بات کریں اور استدلال سے اختلاف کریں۔

دنیا میں اتفاق اور اختلاف معمولی چیز ہے، اصل چیز اختلاف کے آداب ہیں۔ سامنے والے کو یہ leverage دیں کہ وہ بھی ٹھیک ہو سکتا ہے اور خود کو اس جگہ پر رکھیں کہ میں بھی غلط ہو سکتا ہوں۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انتہائی اختلاف کے باوجود آپ مکالمہ جاری رکھ سکتے ہیں، حتیٰ کہ ان لوگوں کے ساتھ بھی جو اللہ کو مانتے ہی نہیں یا اس کے بارے میں غلط نظریات رکھتے ہیں۔

آپ کے dialogue کی base یہ نہیں ہوتی کہ سامنے والا لازماً اپنی بات کو چھوڑ کر آپ کی بات کو مان لے، بلکہ اِس میں آپ اپنی findings اس کے سامنے رکھتے ہیں اور اس کی findings کی respect کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو convince کرنا dialogue کا مقصد ہی نہیں ہوتا۔ افسوس کی بات ہے کہ یہ چیز مذہبی اداروں میں ناپید ہے، وہاں آج بھی زیادہ تر اندھی تقلید ملتی ہے، لیکن ”المورد“ میں دلیل کی بنیاد پر گفتگو ہوتی ہے۔ اسی نے ہمیں برداشت، رواداری اور اختلافِ رائے کے آداب سکھائے۔

چوتھی چیز تنقید کو قبول کرنے کا کلچر (Critique Culture) ہے۔ استاذ ہمیشہ کہتے ہیں کہ پہلے اپنے اوپر تنقید کرو، پھر دوسروں کی تنقید کو بھی کھلے دل سے سنو۔ اپنے اوپر ہونے والی تنقید کو کبھی معمولی نہ جانیں۔ یہ تنقید دو طرح سے ہو سکتی ہے:

تنقید کی ایک نوعیت self-criticism ہے۔ اس کے نتیجے میں خود آپ کے ہاں ارتقا ہوتا ہے۔ اس لیے جب بھی غلطی کا اندازہ ہو جائے تو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس غلطی کی اصلاح کریں۔ تنقید کی دوسری نوعیت یہ ہے کہ معاشرہ آپ پر تنقید کرتا ہے۔ وہ بھی بڑی قیمتی چیز ہوتی ہے۔ رسالہ، میڈیا یا کسی اور ذریعے سے اگر کوئی اعتراض آئے تو اسے سب سے پہلے دیکھنا اور سمجھنا چاہیے اور اس کے نتیجے میں اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ اس میں اگر کبھی ہم سے کوتاہی بھی ہو جائے تو استاذ ہم سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے فلاں تنقید پڑھی ہے؟ فلاں چیز چھپی ہے، کیا آپ نے اس کو دیکھا ہے؟ اس لیے ہماری ہمیشہ کوشش یہی ہوتی ہے کہ اگر کوئی تنقید چھپی ہے تو اس کو پڑھ کر ہی استاذ سے بات کی جائے، کیونکہ وہ پوچھ لیتے ہیں کہ فلاں نے کیا کہا ہے اور آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ یہ اس لیے بہت زبردست رویہ ہے کہ اس سے آپ کسی ابرام میں مبتلا نہیں ہوتے کہ میں کوئی بڑی چیز ہوں۔ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا میں بڑے بڑے ذہین لوگ ہیں۔ آپ کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ you are not the last one, you are not the first one۔ اور آپ ایسی جگہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ آپ کو بس سچائی جاننا ہے۔ وہ جہاں سے بھی ملے، اسے حاصل کرنا ہے۔

اگر میں "المورد" کے ان تمام کلچرز کو جنھیں میں "المورد کلچر" سے تعبیر کرتا ہوں، ایک عنوان دوں تو وہ Truth Culture ہے یا to seek the truth ہے۔ ایک ایسی journey ہے کہ آپ نے سچ کی تلاش میں خوب سے خوب تر تک جانا ہے۔ اس سفر میں آپ کچھ چیزوں کو اپنا لیں گے اور کچھ چیزوں کو آپ چھوڑ دیں گے۔

"المورد" کے حوالے سے یہاں میں ایک شخصیت کا ذکر ضرور کرنا چاہوں گا — "المورد" جب 1983ء میں شروع ہوا تو 1986ء تک یہ ایک تسلسل سے چلا۔ اس کے بعد مالی معاملات میں مشکلات آنے لگیں۔ 1988ء میں میں نے اور بعض دیگر رفقا نے join کیا۔ ادارے نے اس کے بعد 1991ء میں revive کیا۔ جس شخص کی وجہ سے یہ revival ہوا، وہ الطاف محمود صاحب تھے۔ اللہ انھیں غریق رحمت کرے۔ ابھی کچھ سال پہلے کرونا کی وجہ سے ان کا انتقال ہو گیا۔ انھوں نے ایک موقع پر کہا — مجھے ان کے الفاظ آج تک نہیں بھولے اور جب بھی یہ الفاظ یاد آتے ہیں I get goosebumps — my hair stand on my skin — انھوں نے

کہا: دیکھو ہم اس ادارے کو شروع کر رہے ہیں۔ میں اپنی آمدنی کے تین حصے کر رہا ہوں: ایک حصہ "المورد" کو جائے گا، ایک حصہ میرے کاروبار کو، اور ایک حصہ میرے گھر کو۔ اور یہ اصول بنا لیا تھا کہ اگر کبھی crisis آئے گا تو سب سے پہلے ادارے کو سہارا دیں گے۔ 1990ء سے 2015ء تک میری 25 سالہ انتظامی ذمہ داری کے دوران میں ایک دن بھی ایسا نہیں آیا کہ تنخواہیں تاخیر سے دی گئی ہوں۔ یہ سب ان کی قربانیوں کا نتیجہ تھا۔ آج ہم ادارے کو جس سطح پر دیکھ رہے ہیں اور یہ جس تسلسل سے آگے کی طرف بڑھ رہا ہے، اس کی ابتدائی پروان میں الطاف صاحب کا بڑا کردار ہے۔ اسی طرح انیس مفتی صاحب، ڈاکٹر فاروق خان صاحب، راشد فاروقی صاحب اور اسحاق ناگی صاحب ہیں۔ اگرچہ آج اس دنیا میں نہیں ہیں، لیکن انھوں نے بھی اور اسی طرح دیگر احباب نے بھی اپنی استطاعت اور بساط سے بڑھ کر ادارے کے لیے اپنا کردار ادا کیا۔

2015ء کے بعد ہماری global expansion ہو گئی اور پانچ ممالک میں ہمارے ادارے قائم ہو گئے اور ہماری فکر institutionalize ہو گئی۔ مسلمان امت کا یہ المیہ رہا ہے کہ فرد کے رخصت ہو جانے کے بعد ادارہ بند ہو جاتا ہے۔ it's generally a one-man show — ۔ تو یہ جو institutionalization کا پہلو ہے، اس کو صحیح طریقے سے اپنے پاؤں پر کھڑا کیا جائے تاکہ افراد کے رخصت ہونے سے ادارہ رخصت نہ ہو۔ اس میں بہت بڑی کاوش ہوئی ہے۔ آج مکرم عزیز صاحب یہاں موجود ہیں، اب وہ المورد امریکہ کو اسی جذبے سے لے کر چل رہے ہیں۔ اسی طرح المورد کینیڈا، المورد آسٹریلیا، المورد برطانیہ اور دیگر ملکوں میں ادارے وجود میں آ چکے ہیں۔ اور اس میں یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ ان کو وجود میں لانے والے یہ سب volunteers ہیں۔ انھوں نے beyond the call of duty اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش جاری رکھی ہوئی ہے۔

میں یہ چند باتیں اس لیے آپ کے سامنے پیش کرنا چاہ رہا ہوں کہ یہاں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو high achiever ہیں۔ مجھے اگر یہ اختیار دیا جائے کہ life time award achievement کے لیے کسی کا انتخاب کروں تو میرے نزدیک یہ لسٹ بہت طویل ہو جائے گی۔ اور میری خواہش ہے کہ ہم اس طویل لسٹ میں آنے والے تمام افراد کو اس اعزاز سے نوازیں۔ اگرچہ اصل ستایش تو خداوند تعالیٰ کی ہے اور دنیاوی طور پر ہمیں خدا کی طرف سے جو

success ملتی ہے، اس سے ہم میں مزید تواضع آنی چاہیے۔ میں آخر میں بس یہی کہوں گا کہ اصل کامیابی یہ ایوارڈ نہیں ہے، اصل کامیابی وہ ہے، جسے قرآن نے یوں بیان کیا:

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ. (آل عمران 3:185)

”جس کو جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا، وہی کامیاب ہے۔“

اصل کامیابی یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخ رو ہوں، اور دوزخ کی آگ سے بچ جائیں، کاش کہ یہی کامیابی ہمیں وہاں پر بھی حاصل ہو۔ اپنے اس ایوارڈ کے حوالے سے میں یہ ضرور کہنا چاہوں گا کہ یہ ہمیں ملے یا نہ ملے، لیکن ہمیں ہر حال میں good human being بننے کو ٹارگٹ کرنا چاہیے۔ معراج انسانیت کیا ہے، ہمیں اس کی طرف بڑھنا چاہیے۔

Emily Brontë نے کہا تھا:

Twas grief enough to think mankind
All hollow servile insincere,
But worse to trust to my own mind
And find the same corruption there

اور بہادر شاہ ظفر نے اس کیفیت کو یوں بیان کیا:

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر، رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

اصل اصلاح اپنی ذات کی ہے۔ یہی پیغام ہے جو میں نے ”المورد کلچر“ سے سیکھا۔ میں اس دعا کے ساتھ آپ سے رخصت چاہوں گا کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی جناب میں سرخ رو کرے اور ہم اس کے حضور میں کامیاب ہوں۔

بہت بہت شکریہ۔

انٹرویو: محمد حسن الیاس

ترتیب: شاہد محمود

داستانِ حیات: ڈاکٹر شہزاد سلیم

محمد حسن الیاس صاحب کی ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب سے ایک گفتگو

(1)

حسن الیاس: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ غامدی سینٹر سے طالب علم حاضر خدمت ہے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارے مدرسۂ فکر کے ایک بڑے عالم جناب ڈاکٹر شہزاد سلیم ہماری درخواست پر امریکہ تشریف لائے ہیں۔ ان کی زندگی بھر کی خدمات کے اعتراف میں ہمارے ادارے کی طرف سے ان کو لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ دیا گیا ہے۔ یہ تقریب سوشل میڈیا پر نشر ہوئی ہے اور لوگوں نے بڑے پیمانے پر اس کی پذیرائی کی ہے۔ آج کی نشست میں میری خواہش ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے ان کی زندگی کے بارے میں کچھ بے تکلف گفتگو کی جائے، اور وہ باتیں جو بالعموم علمی مجالس میں سامنے نہیں آتیں، انھیں ان سے براہ راست سنا جائے۔ آغاز کرتے ہیں۔ شہزاد بھائی، السلام علیکم، خیر و عافیت سے ہیں؟

شہزاد سلیم: جی، وعلیکم السلام۔ الحمد للہ جی۔

حسن الیاس: بہت شکریہ شہزاد بھائی، آپ نے وقت نکالا۔ علمی و فکری موضوعات اس وقت پیش نظر لانا مقصود نہیں ہیں۔ میں چاہوں گا کہ ذرا بے تکلف انداز سے آپ کی زندگی کے سفر کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا جائے۔ سب سے پہلے یہ بتائیے کہ آپ کا خاندانی پس منظر کیا ہے،

مذہبیات کی دنیا کی طرف التفات کیسے ہوا، غامدی صاحب سے پہلی ملاقات کا محرک کیا بنا اور یہ ملاقات کب ہوئی؟

شہزاد سلیم: اصل میں میری زندگی کا ٹرننگ پوائنٹ (turning point) سن 1981ء تھا، جب میرے والد کا انتقال ہوا۔ اس وقت میری عمر چودہ برس تھی اور میں اُس عمر کے لحاظ سے ایک کھلنڈرا، لیکن پڑھاکو لڑکا تھا۔ والد کے ساتھ بہت دوستی تھی، بہت محبت کا تعلق تھا۔ ان کا اچانک دنیا سے چلے جانا میرے لیے بہت بڑا واقعہ تھا۔— it was something that really changed my life —اُس حادثے نے مجھے بالکل بدل کر رکھ دیا۔

ہوا یوں کہ اس کے نتیجے میں زندگی سے متعلق بنیادی سوالات ذہن میں پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ ہم کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ ہمارے آنے کا کیا مقصد ہے؟ زندگی کیا ہے؟ موت کیا ہے؟ ان سوالوں نے بہت شدت کے ساتھ دل و دماغ کا احاطہ کر لیا۔ انھی کے جواب تلاش کرتے ہوئے فلسفہ پڑھنا شروع کر دیا، لیکن محسوس ہوا کہ اُن سوالوں کے جواب تو کیا ملتے، کچھ مزید سوالات پیدا ہو گئے ہیں۔

چنانچہ میں نے دین کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس زمانے میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد اپنے آغاز کے قریب تھی۔ والد کے ساتھ تو ہم پنڈی اسلام آباد ہی میں رہتے تھے، مگر اُن کی وفات کے بعد ہمیں لاہور میں منتقل ہونا پڑا۔ گھر میں بہنیں چھوٹی تھیں، اس لیے اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد میں داخلے کا قدم نہیں اٹھایا جا سکا۔ انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور میں الیکٹریکل انجینئرنگ میں داخلہ لے لیا، مگر دل دینی تعلیم ہی کا خواہش مند رہا۔ یہی تمنا ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے پاس لے گئی، مگر اُن کا ادارہ علم سے زیادہ عمل کے رخ پر تھا۔ یعنی دعوتی اور اصلاحی اہداف کو اصل کی حیثیت حاصل تھی۔ اُن کا اپنا مزاج بھی یہی تھا۔ وہاں ایک سالہ اور دو سالہ اکیڈیمک کورسز (academic courses) کا کچھ اہتمام ضرور تھا، مگر میرا احساس تھا کہ اس سے میری پیاس نہیں بجھے گی۔ میں بہت ڈیپ (deep) جانا چاہتا تھا، بہت گہرائی سے علم حاصل کرنا چاہتا تھا۔

اسی دوران میں معلوم ہوا کہ مولانا امین احسن اصلاحی ایک بڑی علمی شخصیت ہیں اور لاہور ہی میں درس دیتے ہیں۔ چنانچہ اُن کے درس میں شریک ہو گیا۔ وہ اُس زمانے میں ثقل سماعت کا شکار

تھے۔ درس کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوتی تھی۔ سوال لکھ کر اُن کے سامنے پیش کر دیا جاتا تھا، جس کا وہ جواب دے دیتے تھے۔ میں نے بھی کوشش کی، مگر ظاہر ہے کہ اس طرح مکالمہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اتفاق سے ہمارے ادارے کے قدیم رفیق انیس مفتی صاحب وہاں موجود تھے —— اب وہ دنیا میں نہیں رہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ —— انھوں نے کہا کہ بھئی، آپ کو مولانا سے سوال کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہے، بہتر یہ ہے کہ آپ جاوید احمد صاحب کے پاس چلے جائیں، وہ اصلاحی صاحب ہی کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ وہ یہاں (فیروز پور روڈ) سے قریب ہی ماڈل ٹاؤن میں رہتے ہیں۔

حسن الیاس: اچھا تو آپ کا پہلا تعارف اصلاحی صاحب سے پہلے ہوا۔

شہزاد سلیم: جی بالکل۔

حسن الیاس: آپ کے والد صاحب کیا کرتے تھے، پاکستان ہی میں رہتے تھے یا ہندوستان سے ہجرت کر کے آئے تھے؟

شہزاد سلیم: میرے والد صاحب چارٹڈ اکاؤنٹنٹ (chartered accountant) تھے۔ وہ ادھر پنجاب ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ والدہ میرٹھ سے تھیں، مگر اُن کا خاندان 1945ء میں ہجرت کر کے پاکستان والے حصے میں آ گیا تھا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ میرے نانا ڈاکٹر قاضی سعید الدین کو 1945ء میں یہ آفر (offer) ہوئی تھی کہ وہ پنجاب یونیورسٹی میں جیوگرافی ڈیپارٹمنٹ قائم کریں۔ لہٰذا انھوں نے پنجاب یونیورسٹی میں جغرافیے کا شعبہ قائم کیا اور اُس کے پہلے سربراہ مقرر ہوئے۔

حسن الیاس: اس کا مطلب ہے کہ وہ کوئی معروف پڑھی لکھی شخصیت تھے۔

شہزاد سلیم: جی، اُنھوں نے لندن یونیورسٹی کالج سے پی ایچ ڈی کی تھی اور یہ پی ایچ ڈی مشہور جیوگرافر Dudley Stamp کے تحت کی تھی۔

حسن الیاس: اچھا، اب سلسلے کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہ بتائیے کہ وہ کیا محرک تھا، جو ڈاکٹر اسرار صاحب کی طرف متوجہ ہونے کا باعث بنا؟

شہزاد سلیم: ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ذکر سے پہلے میں ایک اور شخصیت کا بھی ذکر کر دوں، جنھوں نے مجھے قرآنِ مجید کی طرف متوجہ کیا۔ یہ پروفیسر محمد عظمت صاحب ہیں، ماشاءاللہ

حیات ہیں۔ اُس زمانے میں یہ گورنمنٹ کالج، لاہور کے استاد تھے۔ اصل میں ہم راولپنڈی سے لاہور میں اپنے نانا کی حویلی میں منتقل ہو گئے تھے۔ یہ حویلی جس محلے میں تھی، اُسی میں پروفیسر عظمت صاحب بھی رہتے تھے۔ ان کا قرآنِ مجید سے بہت شغف تھا۔ تلاوت بھی بہت اچھی کرتے تھے۔ محلے کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھاتے تھے۔ انھوں نے بہت محبت اور شفقت سے میرے اندر قرآن پڑھنے کے شوق کی آبیاری کی۔

اب جہاں تک ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی بات ہے، تو یہ غالباً 1984-85ء کی بات ہے کہ میں نے باغ جناح میں مسجد دارالسلام میں انھیں سننے کے لیے جانا شروع کیا۔ میں اس زمانے میں انجینئرنگ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا۔ محسوس ہوا کہ ان کی گفتگو لوجیکل (logical) ہوتی ہے، جدید انداز میں بات کرتے ہیں، انگریزی بھی اچھی بول لیتے ہیں۔ پھر جلد ہی ماڈل ٹاؤن میں واقع ان کے ادارے ''قرآن اکیڈمی'' میں بھی باقاعدگی سے جانے لگا۔ یہ بھی پتا چلا کہ میرے ماموں اور ڈاکٹر اسرار صاحب کنگ ایڈورڈ کالج میں کلاس فیلو تھے۔ بہر حال ڈاکٹر اسرار صاحب کو سننے کا سلسلہ جاری رہا، مگر بات سننے سنانے سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ وہ چاہتے تھے کہ میں اُن کے بیعت کے نظام سے وابستہ ہو جاؤں۔ لیکن مجھے چونکہ اپنے تعلیمی پس منظر کے باعث جدیدیت کی ہوا لگ چکی تھی، اس لیے ذہن یہ بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ ہم کسی شخص کے ساتھ سمع وطاعت کی بیعت کریں۔ چنانچہ میں ان کے دروس میں بھی جاتا رہا، ان کی تدریس قرآن کی نشستوں میں بھی شریک رہا، مگر اُن کی بیعت کی طرف کبھی طبیعت آمادہ نہیں ہو سکی۔ اس دوران میں ''طلبہ تنظیم اسلامی'' کی بنیاد ڈالی گئی۔ انجینئرنگ یونیورسٹی میں یہ تنظیم بہت فعال ہو گئی اور طلبہ کا ایک بڑا حلقہ وجود میں آ گیا۔ ڈاکٹر صاحب کی بھی اس سے بہت توقعات وابستہ ہو گئیں۔ انجینئرنگ یونیورسٹی میں اس تنظیم کی فعالیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب اس کے لیے لاہور کا ناظم مقرر کرنے کا موقع آیا تو انجینئرنگ یونیورسٹی ہی سے میرے ایک کلاس فیلو کو اس ذمہ داری پر فائز کیا گیا۔

اسی دوران میں میری اصلاحی صاحب اور غامدی صاحب سے ملاقات بھی ہو چکی تھی۔ غامدی صاحب سے جو سوال میں نے ابتدائی نشستوں میں کیے، اُن میں ایک اہم سوال یہی بیعتِ سمع و طاعت کا تھا۔ اسی موقع پر وہ دل چسپ واقعہ بھی ہوا کہ غامدی صاحب نے میری زبانی ڈاکٹر اسرار

صاحب کا موقف سن کر کہا کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ، ظاہر ہے کہ ایک تنقیدی جملہ تھا، مگر میں نے اسے اس پر محمول کیا کہ غامدی صاحب ڈاکٹر اسرار صاحب کا موقف سمجھ نہیں سکے۔ بہر حال اگلی نشستوں میں انھوں نے سمجھایا کہ 'أنا آمرکم بخمس اللّٰہ أمرني بهن: بالجماعة والسمع والطاعة والهجرة والجهاد في سبيل اللّٰہ' (میں تمھیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں، مجھے ان کا حکم اللہ نے دیا ہے: التزام جماعت، سمع و طاعت، ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ) کی جس روایت کی بنا پر ڈاکٹر اسرار صاحب بیعت سمع و طاعت کا مطالبہ کر رہے ہیں، اس کا تعلق تو حکومت اور ریاست سے ہے۔ اس کے نتیجے میں ان کے فکر کا سارا قصر ٹوٹ گیا۔ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ یونیورسٹی میں "طلبہ تنظیم اسلامی" کا حلقہ بکھر گیا اور نتیجتاً وہ تنظیم جس کو قائم ہوئے ابھی آٹھ نو ماہ ہی ہوئے تھے، ختم ہو گئی۔ یہ، ظاہر ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے کام کے لیے ایک بڑا نقصان تھا، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ تنظیم نوجوانوں میں بہت موثر ہو جائے گی۔

حسن الیاس: ٹھیک ہے، بات واضح ہو گئی ہے۔ اب بات آگے بڑھاتے ہیں۔ یہ بتایئے کہ عام طور پر جب لوگوں میں مذہبی تبدیلی آتی ہے تو سب سے پہلے اس کا اثر اُن کی بود و باش، رنگ ڈھنگ، وضع قطع اور لباس وغیرہ پر ہوتا ہے۔ آپ ایک ماڈرن فیملی بیک گراؤنڈ (modern family background) سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے ہاں جب مذہبی تبدیلی آئی تو کیا اس نوعیت کے کوئی اثرات مرتب ہوئے؟

شہزاد سلیم: جس زمانے میں مذہبی تبدیلی آئی، اس زمانے میں ابھی چہرے پر بال نہیں آئے تھے، پھر 87-86ء میں کچھ تھوڑے بال نکلنے شروع ہو گئے تو میں نے ڈاڑھی رکھنے کا فیصلہ کیا۔ مجھے یاد ہے کہ یہ فیصلہ اُس وقت کیا، جب ڈاکٹر اسرار صاحب نے اپنے درس میں ڈاڑھی کے موضوع پر گفتگو کی۔ میں اس سے اتنا متاثر ہوا کہ یہ طے کر لیا کہ آیندہ شیو (shave) نہیں کروں گا۔ پھر جب میں نے فیملی کو اس سے آگاہ کیا تو گھر میں ایک کہرام سا مچ گیا تھا۔ میری والدہ تو پہلے ہی بہت خلاف تھیں۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ میرا ٹریک ریکارڈ (track record) چار پانچ سال سے آہستہ آہستہ سرک رہا ہے، لیکن کم سے کم حلیہ تبدیل نہیں ہوا تھا۔ اب جب یہ فیصلہ ان کے سامنے آیا تو وہ بہت فکر مند ہو گئیں۔ میرے چہرے پر بال ذرا کم تھے، اس لیے جب ڈاڑھی نمایاں ہوئی تو وہ بہت ہی بے ہنگم تھی۔

اسی طرح کا کچھ معاملہ لباس کے ساتھ ہوا۔ میں پتلون ہی پہنتا تھا، جس کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر رکھنا دشوار ہوتا تھا۔ اس مشکل سے نجات کے لیے میں نے والدہ سے کہا کہ میرے لیے پتلون سلواتے ہوئے درزی سے کہیں کہ پائنچے اونچے رکھے۔ والدہ نے کہا کہ اس طرح تو یہ خراب ہو جائے گی اور بری لگے گی۔ پھر میں نے اس کا ایک حل خود نکال لیا اور وہ یہ کہ پائنچوں کو اوپر کی طرف فولڈ (fold) کر کے انھیں سٹیپلر (stapler) سے سٹیپل (staple) کر دیا۔ اسی طرح ایک اور ایڈیشن (addition) یہ کی کہ سر پر جناح کیپ پہننی شروع کر دی۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ والدہ اور فیملی کے کیا تاثرات ہوں گے۔ نیچے تہ در تہ فولڈ (fold) کر کے سٹیپل (staple) کی گئی پتلون ہے، سر پر جناح کیپ ہے اور چہرے پر بے ہنگم ڈاڑھی ہے۔ میں نے اس وضع قطع کو دین کا ایک بہت اہم تقاضا سمجھ کر اختیار کیا تھا۔

حسن: آپ نے فرمایا کہ ڈاڑھی کے بال کم تھے، مجھے لگتا ہے کہ ہمارے مدرسۂ فکر کے اکثر اکابرین کو اللہ نے ڈاڑھی کے بال کم ہی دیے ہیں۔ شاید اس میں بھی کوئی حکمت مخفی ہے۔ خیر، آگے بڑھتے ہیں۔ یہ بتائیے کہ جب آج سے کم و بیش چالیس سال پہلے غامدی صاحب سے آپ کی ابتدائی ملاقات ہوئی تو وہ کیسے ہوئی، کہاں ہوئی اور غامدی صاحب کیسے تھے اس وقت؟

شہزاد سلیم: اس وقت وہ 51-ای بلاک، ماڈل ٹاؤن میں رہتے تھے۔

حسن صاحب: ٹائم لیا آپ نے ملنے سے پہلے؟

شہزاد سلیم: نہیں، کوئی ٹائم نہیں لیا۔ جس وقت اصلاحی صاحب کے درس میں مجھے پتا چلا کہ وہ قریب میں ہی رہتے ہیں تو میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، فوراً ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ لہٰذا میں نے گھر واپس جانے کے بجائے سیدھا ماڈل ٹاؤن جانے کا فیصلہ کر لیا۔

میں اور میرا کزن موٹر سائیکل پر بیٹھے اور کچھ دیر میں غامدی صاحب کے گھر پہنچ گئے۔ دروازے پر پہنچ کر ابھی میں گھنٹی بجانے ہی لگا تھا کہ میری نظر سڑک پر پڑی۔ سامنے ایک صاحب بڑے نپے تلے قدموں سے چلتے ہوئے نظر آئے۔ سر پر کپڑے کی جالی والی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ نگاہیں نیچے کی طرف تھیں۔ میں نے سوچا شاید یہی غامدی صاحب ہوں گے۔ انھوں نے دیکھ کر دروازہ کھولا۔ بہت شفقت سے بٹھایا۔ میں نے بتایا کہ میں آپ کے استاذ کا درس سن کر آ رہا ہوں۔ بہت خوش ہوئے۔ پھر انھوں نے بہت اچھے طریقے سے میری باتوں کو سنا۔ کئی چیزیں مجھ

سے پوچھیں۔ بس پھر وہ دن تھا اور آج کا دن ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ جیسے شیکسپیئر نے کہا ہے:

There is a tide in the affairs of men,

Which, taken at the flood, leads on to fortune.

”انسان کی زندگی کے مد و جزر میں کسی وقت ایک ایسی لہر اٹھتی ہے، جو اپنے بہاؤ سے اُسے بہت بڑی خوش نصیبی کے دھارے پر ڈال دیتی ہے۔“

میرے لیے وہ دن اللہ کی طرف سے خوش نصیبی کا ایسا ہی ایک موقع تھا۔

[باقی]

ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی

ڈاکٹر شہزاد سلیم: ایک مترجم، محقق اور مربی

—— ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کی تقریب کے موقع پر ——

موجودہ دور میں درس نظامی اور ندوۃ العلماء یا سلفی مدارس کے منہاجِ درس کے پہلو بہ پہلو ایک اور تجربہ مختلف اوقات میں اور مختلف پیرایوں میں مسلمانوں نے کیا، جو اگرچہ بڑے چھوٹے پیمانہ پر ہوا، مگر اس کے نتائج حیرت انگیز طور پر بڑے مثبت نکلے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ابتدا میں عصری تعلیم دینے کے بعد ذہین طلبہ و نوجوانوں کو دین کی اعلیٰ تعلیم دی جائے، عربی زبان کی بنیادی تعلیم اور قرآن وحدیث وفقہ وغیرہ کی تحقیقی تعلیم۔ اس میدان میں کہیں تو بعض اداروں اور جماعتوں نے یہ تجربہ کیا اور کہیں پر بعض طلبہ و نوجوان خود اپنے شوق سے اس تجربہ سے گزرے۔ اس تجربہ سے گزر کر جن لوگوں نے خدمتِ دین کو اپنا مطمح نظر بنایا، وہ روایتی فارغین مدارس کے مقابلے میں زیادہ کارگر ثابت ہوئے اور عصر حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر انھوں نے کہیں زیادہ بہتر طور پر دین کی خدمت انجام دی ہے۔ اس تجربہ سے بڑے اچھے رجال کار پیدا ہوئے اور مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ اس میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر عبدالحق انصاری، استاد جاوید احمد غامدی، مولانا طارق جمیل، ڈاکٹر اسرار احمد، جناب خالد مسعود مرحوم وغیرہم کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ ہمارے ممدوح ڈاکٹر شہزاد سلیم بھی اسی طبقۂ جدیدہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

”المورد“، ادارۂ علم و تحقیق کے محققین اور اساتذہ میں جن حضرات سے راقم کا ربط ضبط ہوا، ان میں ڈاکٹر شہزاد سلیم ایک خصوصیت رکھتے ہیں۔ تلاشِ بسیار کے باوجود اور ڈاکٹر شہزاد صاحب

کی منکسر المزاجی کے باعث ان کے خاندانی حالات، نشوو نما اور سوانحی کوائف تو راقم کو زیادہ میسر نہیں آسکے، بہر حال جو معلومات ملیں ان کی روشنی میں چند سطور ان کے علمی کارناموں کے سلسلہ میں قارئین کے سامنے پیش کی جارہی ہیں۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم 1966ء میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک اسلامی محقق ہیں۔ انھوں نے پاکستان کی یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی اینڈ انجینئرنگ، لاہور سے الیکٹریکل انجینئرنگ میں بیچلر کی ڈگری حاصل کی اور یو کے کی یونیورسٹی آف ویلز سے قرآن کی تاریخ میں ڈاکٹریٹ کی ہے۔ ڈاکٹر شہزاد سلیم نے استاد جاوید احمد غامدی کی نگرانی میں مذہب کی تعلیم حاصل کی۔ وہ 1992ء سے 2008ء تک پاکستان میں اسلامی تحقیق اور تعلیم کے لیے اپنی نوعیت کے ایک منفرد ادارے ''المورد'' کے ایسوسی ایٹ فیلو رہے اور 2008ء سے آج تک اسی ادارے میں فیلو ہیں۔

شہزاد سلیم کے تعلیمی سنگِ میل

ڈاکٹریٹ

ڈاکٹر شہزاد سلیم نے یونیورسٹی آف ویلز، یو کے سے ''قرآن کی تاریخ'' پر اپنی پی ایچ ڈی کی ہے۔ ان کے تحقیقی مقالے کا تعلق قرآن کی جمع و ترتیب، مختلف قراءات، نسخی غلطیاں اور مختلف نسخہ جات کے مطالعے سے ہے۔ یہ پروجیکٹ آٹھ سال میں مکمل ہوا اور انگریزی میں ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کا اردو اور عربی ترجمہ بھی کیا جائے۔ اسی احساس کے پیش نظر حال ہی میں ہم نے ''اشراق'' عربی میں اس کے منتخب ابواب کو عربی میں ترجمہ کر کے پیش کرنا شروع کیا ہے۔

اہم تراجم

انھوں نے اسلام کے ماضی قریب اور حال کے دو بڑے عالموں کے اہم کاموں کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم ترجمہ کے مردِ میدان ہیں۔ چنانچہ مولانا اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' جو فکر فراہی کی نمایندہ تفسیر ہے، کی جلد چہارم، پنجم، ششم، ہفتم اور ہشتم کا انگریزی میں ترجمہ و تلخیص کی

ہے۔ اس کے علاوہ، استاذ جاوید احمد غامدی کی تفسیر ''البیان'' اور اسلامیات پر ان کی شاہ کار کتاب ''میزان''، نیز اسلام کا مختصر و جامع تعارف ''الاسلام'' سب کے انھوں نے انگریزی ترجمے کیے ہیں۔

تحقیق اور تدریس

شہزاد سلیم صاحب نے ایک ماڈیولر نصابی کتابچہ بھی ترتیب دیا، جو قرآنی مطالعات کے کورس کے طور پر 1999ء–2001ء میں گریجویٹ طلبہ کو پڑھایا گیا۔ اس کے علاوہ، ڈاکٹر صاحب ''البیان'' کا درس انگریزی میں دیتے ہیں، نیز مختلف تربیتی موضوعات پر باضابطہ لیکچرز دیتے ہیں۔

شہزاد سلیم صاحب تفسیری میدان میں مہارت رکھتے ہیں۔ یونیورسٹی آف ویلز سے قرآنی تحقیق کی چوٹی پر پہنچنا کوئی چھوٹی بات نہیں! انھوں نے جدید اصول تحقیق و تنقید کو استعمال کر کے نہ صرف قرآن کی تاریخ کو نیا زاویہ دیا، بلکہ انگریزی میں قرآن سے متعلق عظیم اسلامی علمی ورثے کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم کے تربیتی اور تعمیرِ شخصیت کے موضوعات اکثر یہ ہوتے ہیں:

خیرات، غرور اور تکبر کی نفی، اللہ کی یاد، شہری ذمہ داری، والدین کے ساتھ مہربانی، شکریہ، معافی، اخلاقی جرأت، سچائی، دکھاوا، عاجزی، ہم دردی، گناہ آلود گفتگو سے اجتناب، ایمان داری، انصاف اور وفاداری وغیرہ۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم کی انگریزی کتابیں

ڈاکٹر شہزاد سلیم نے انگریزی میں اسلامیات پر بہت لکھا ہے۔ ان کی تحریریں قرآن، حدیث کی تعلیمات، اسلام کے تعارف، سیرتِ رسول، اسلام کے بارے میں مختلف اعتراضات کا جواب، قرآن کی تدوینی تاریخ، ازدواجی زندگی سے متعلق اسلامی تعلیمات، اسلام کی سیاسی تعلیمات، طلاق اسلام میں، بین المذاہب ڈائیلاگ، خواتین کے بارے میں اعتراضات، بنیادی اخلاقیات، جہاد کے بارے میں غلط فہمیاں، غیر متوازن تصور مذہب، بچوں کی تربیت اور والدین، نوجوانوں کے سوالات، غور و فکر کی آزادی اور ناقدانہ سوچ، مسلمان عسکریت پسند کے ذہن میں کیا ہے۔ کتاب مقدس (بائیبل) کی منتخب تعلیمات جیسے عنوانات کو کوَر کرتی ہیں اور بالترتیب یوں ہیں:

1. Critical History of the Quran
2. Misconceptions about Women in Islam
3. Interfaith dialogue
4. Selected Biblical Verses
5. Question on the Quran by Serious Students
6. Misconceptions about Islam
7. Muhammad (sws): The Misunderstood Prophet of Islam Marriage and Married Life
8. Basic Morality
9. Islam and Islamic Welfare State
10. Misconceptions about Divorce in Islam
11. Misconceptions regarding Jihad of the Companions of the Prophet (sws)
12. Imbalanced Religious Attitudes
13. Intellectual Freedom and Critical Thinking
14. Parenting
15. Challenges faced by the Youth of Today
16. The Mind of a Muslim Militant

انداز گفتگو

ڈاکٹر شہزاد سلیم ایک نرم رو خطیب ہیں اور بہترین مدرس، وہ جو زبان بولتے ہیں اس کو اہل زبان کے لہجے میں بولتے ہیں۔ مثلاً فارسی کا لہجہ وہی ہو گا جو ایرانی لوگوں کا ہوتا ہے، انگریزی روانی سے بولتے ہیں اور انگریزی میں ''میزان'' کے علاوہ، ''البیان'' کے دروس دیتے، نیز زندگی کے عملی مسائل اور شخصی ارتقا، بچوں کی تربیت وغیرہ جیسے ضروری موضوعات پر بھی ان کے لیکچرز موجود ہیں۔

آن لائن محاضرے اور کورسز

ڈاکٹر شہزاد سلیم نے 2003ء میں ایک اسلامی سوالات کی سروس (آئی کیو ایس) قائم کی، یہ ایک ای میل پر مبنی خدمت تھی، جس کا مقصد اسلام سے متعلق سوالات کے جواب دینا تھا۔ 2003ء تک، اس سروس نے 3000 سے زائد سوالات کے جوابات دیے تھے۔ 1998ء میں ڈاکٹر شہزاد سلیم نے ''المورد'' کے لیے ایک جامع فاصلاتی تعلیم کا پروگرام شروع کیا۔ یہ اس دور میں کافی مقبول ہوا جب آن لائن مذہبی تعلیم زیادہ عام نہیں تھی۔ انھوں نے 2003ء میں ''اسلام کا مطالعہ'' نام کی www.studying-islam.org ویب سائٹ بھی لانچ کی، جو کہ انگریزی اور اردو میں اسلام پر آن لائن کورسز پیش کرتی ہے۔ فی الحال، اس میں دنیا بھر سے پندرہ ہزار سے زائد رجسٹرڈ طلبہ موجود ہیں۔ اور اسلام پر انگلش اور اردو میں تقریباً 50 کورسز کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔

انھوں نے قرآن کے علم برداروں —— علامہ حمید الدین فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی —— کی زندگی اور کاموں کے بارے میں بھی ویب سائٹس قائم کیں، جن کے نام یہ ہیں:

www.hamid -uddin-farahi.org

www.amin-ahsan-islahi.org

ایک ویب سائٹ ڈاکٹر شہزاد سلیم نے 2013ء میں مولانا امین احسن اصلاحی (1904ء-1997ء) کی تفسیر ''تدبر قرآن'' کے حوالے www.tadabbur-i-quran.org متعارف کرائی۔

اسی طرح انھوں نے 2014ء میں بائیبل کے عالم عبد الستار غوری مرحوم (1935ء-2014ء) پر بھی ایک ویب سائٹ قائم کی www.abdus-sattar-ghauri.org۔

رینی ساں

ڈاکٹر شہزاد سلیم ماہنامہ اسلامی جریدہ ''رینی ساں'' کے بانی ایڈیٹر ہیں، جس کا آغاز 1991ء میں ہوا۔ 1999ء میں اس کی ویب سائٹ ww.monthl-renaissance.com لانچ کی گئی۔ باقاعدہ شماروں کے علاوہ، اسلام اور غیر مسلم: ایک نیا نقطۂ نظر، اسلام اور خواتین، اسلامی

سیاسی رہنمائی اسلامی اقتصادی ہدایات، اسلامی سزاؤں کی تفہیم اور قرآن کی تعلیمات جیسے خاص شمارے بھی شائع کیے گئے ہیں۔ ''رینی ساں'' ان کی ادارت میں آن لائن پینتیس سالوں سے شائع ہو رہا ہے۔ اس میں چند مضامین ہوتے ہیں اور بہت آسان زبان میں اداریہ، قرآن پاک کا درس، تفسیر اور ایک یا دو علمی مقالوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کا معیار بہت اونچا ہے اور زبان بہت معیاری، آسان اور سادہ۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم کا تخصص انگریزی زبان ہے۔ اس زبان کی اپنی مہارت کو انھوں نے فکر غامدی کی روشنی میں دینِ حق کی روشنی کو عام کرنے میں لگا دیا ہے۔ خاص طور پر نوجوان نسل کی تعلیم و تربیت کے میدان میں۔ قرآن پاک کی نئے زاویے سے خدمت کے ساتھ ہی انھوں نے حدیث سے بھی شغف رکھا ہے۔ اور اس سلسلہ میں نہ صرف روایتی محدثین کو پڑھا ہے، بلکہ حدیث کے ان غیر روایتی علما، محققین اور اسکالرز کی تحقیقات سے بھی استفادہ کیا ہے، جن سے عام علما مختلف وجوہ کی بنا پر اجتناب برتتے رہے ہیں۔ شہزاد سلیم صاحب مولانا تمنا عمادی، ترمذی کے شارح مفتی عبد اللطیف رحمانی اور فن حدیث کے جید اسکالر، صحیحین کے ناقد اور مفسرِ قرآن علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی اور ان جیسے دیگر علما کی تحقیقات سے خوشہ چینی بھی کرتے ہیں۔ ان کی گفتگو مدلل ہوتی اور نئی نسل کے ذہن کو اپیل کرتی ہے۔

ان کی انگریزی دانی پر تو کوئی اہل زبان ہی بہتر تبصرہ کر سکتا ہے، بس یہ ہے کہ انگریزی پر گرفت ایسی ہے کہ اس زبان میں شاعری کرتے ہیں اور شاعری بھی بہت پاکیزہ اور تعمیری۔ تفسیر کا یا اس کی تلخیص کا انگریزی میں شائع ہو جانا بہت بڑی بات ہے، کیونکہ انگریزی اس وقت عالمی رابطہ کی زبان ہے اور اس زبان میں چھپنے کا معنی یہ ہے کہ آپ کو ساری دنیا میں پڑھا جا سکتا اور استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ کل ملا کر کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر شہزاد سلیم نے اکیلے وہ کام کر دیا ہے جو بڑی بڑی اکیڈمیوں اور اداروں کے کرنے کا ہے۔

غامدی صاحب نے اپنی بعض کتابوں کے مقدموں میں اپنے جن احباب و تلامذہ کا خصوصی تذکرہ کر کے ان کا شکریہ ادا کیا ہے اور ان کے لیے کلماتِ تحسین ادا کیے ہیں، ان میں شہزاد سلیم صاحب بھی شامل ہیں۔ انھوں نے غامدی صاحب کی فکر اور عام فکر اسلامی کی جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، ان پر ڈاکٹر صاحب کا حق بنتا ہے کہ ان کی خدمات کی تحسین کی جائے اور

ان کا اعتراف کیا جائے۔ اس ضمن میں ادارہ ''المورد'' نے ان کو جو لائف ٹائم اچیومنٹ دینے کا فیصلہ کیا ہے، وہ بروقت اور اچھا فیصلہ ہے۔ اور اسی کی مناسبت سے ''اشراق'' اردو امریکہ نے ایک خصوصی اشاعت ان کے نام کر کے ایک اچھی روایت کا آغاز کیا ہے۔

ثاقب علی

علم و اخلاق کا امتزاج ـــــ ڈاکٹر شہزاد سلیم

[یہ مضمون ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب کے لیکچرز سے حاصل شدہ تاثرات اور میرے ذاتی مشاہدات پر مبنی ہے، جسے تحریری شکل دینے میں (ChatGPT) AI کی مدد لی گئی ہے۔ مصنف]

میرا پہلا تعارف ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب سے 2013ء میں یوٹیوب کے ایک کلپ کے ذریعے سے ہوا۔ اُس وقت میرے ذہن میں یہ تاثر موجود تھا کہ ڈاڑھی یا روایتی اسلامی حلیے کے بغیر کوئی عالم نہیں ہو سکتا، لیکن جب میں نے انھیں سنا تو یہ خیال ٹوٹ گیا اور دل میں یہ بات اتر گئی کہ تقویٰ اور علم کا تعلق ظاہر سے زیادہ باطن کے ساتھ ہے۔

میری بد قسمتی یہ رہی کہ میں ان کی کتابوں سے زیادہ استفادہ نہ کر سکا، لیکن یہ میری خوش نصیبی ہے کہ ان کے بے شمار لیکچرز اور کلپس سننے کا موقع ملا۔ آیندہ اس مضمون میں جو کچھ بھی میں بیان کروں گا، وہ انھی لیکچرز سے اخذ کردہ مشاہدات اور تاثرات پر مبنی ہو گا۔

قرآن مجید کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر صاحب کی ایک نہایت قیمتی سیریز ”قرآن کا تجزیاتی مطالعہ“ ہے۔ اس میں وہ قرآن مجید کی چند آیات منتخب کرتے اور مختلف نمایندہ تفاسیر سے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ تقابلی انداز میں یہ واضح کرتے ہیں کہ کس مفسر نے کیا نقطۂ نظر اختیار کیا ہے۔ میرے خیال میں اس کا سب سے

بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایک عام طالب علم میں دلیل کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ سورۂ نساء میں بیان کردہ وراثت کے مسائل میں نے پہلی بار انھی لیکچرز کے ذریعے سے صحیح طور پر سمجھے۔ اس سے پہلے بارہا کوشش کی، لیکن پوری طرح کامیابی نہ ہوئی تھی۔ جب ڈاکٹر صاحب نے ان نکات پر روشنی ڈالی اور طلبہ کے سوالات کے جوابات دیے تو میرے تمام ابہام دور ہو گئے۔

میرے نزدیک قرآن کو سمجھنے کے خواہش مند، خصوصاً وہ طلبہ جو مکتب فراہی کے تناظر میں قرآن کے تقابلی مطالعے کے ذریعے سے غور کرنا چاہتے ہیں، ان کے لیے یہ سیریز نہایت اہم ہے۔

اسلام اسٹڈی سرکل

"اسلام اسٹڈی سرکل" بھی ان کی ایک نہایت اہم سیریز ہے۔ اس کے ذریعے سے ہی میرا بائیبل سے پہلا تعارف ہوا۔ قرآن و حدیث تو ہم پڑھتے رہتے ہیں، مگر یہ جاننا میرے لیے حیرت انگیز تھا کہ بائیبل میں بھی بہت سی حکمت بھری اور غور طلب باتیں موجود ہیں اور یہ حقیقت مجھے پہلی بار ڈاکٹر صاحب کی گفتگو سے معلوم ہوئی۔ اس سیریز میں وہ قرآن، حدیث اور بائیبل، تینوں کے اقتباسات پیش کرتے اور ان پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس گفتگو کا مرکزی پہلو یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے اخلاق کو درست کرے۔ اور کیوں نہ ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ وزنی چیز اچھے اخلاق ہوں گے۔[1] آج کے دور میں جب مسلمانوں میں اخلاقی بحران پیدا ہو چکا ہے، یہ بات اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر جاتی ہے کہ اخلاق کے پہلو کو بار بار بیان اور اجاگر کیا جائے۔ اس امتزاج سے اللہ اور بندے کے تعلق کا پہلو اور زیادہ گہرا ہو جاتا ہے اور سننے والے کو ایک جامع اور ہمہ گیر بصیرت حاصل ہوتی ہے۔

اس سیریز کا ایک اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ پروگرام میں حاضرین کے سوالات لیے جاتے ہیں اور ڈاکٹر صاحب مختصر، مگر تسلی بخش انداز میں ان کے جوابات دیتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی

---

[1]۔ سنن ابی داؤد، رقم 4799۔

ہوتا ہے کہ سوال وجواب کے بجائے کسی خاص موضوع کو زیر بحث لایا جاتا ہے اور سب حاضرین کو گفتگو کا موقع دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک نشست میں یہ موضوع لیا جاسکتا ہے کہ ”غصے پر قابو کیسے پایا جائے؟“۔ پھر ہر طالب علم اپنی اپنی راے بیان کرتا ہے۔ اس عمل کے تین بڑے فائدے ہیں: ایک یہ کہ انسان خود بھی سوچنے پر مجبور ہوتا ہے، دوسرا یہ کہ مختلف آرا سن کر ایک مسئلے کو کئی پہلوؤں سے سمجھنے کا موقع ملتا ہے اور تیسرا یہ کہ اجتماعی بصیرت کے ذریعے سے ایک جامع اور متوازن نقطۂ نظر سامنے آتا ہے۔

اسلام سے متعلق غلط فہمیاں

اسی طرح یوٹیوب پر ان کی سیریز ”اسلام سے متعلق غلط فہمیاں“ میرے لیے بے حد مفید ثابت ہوئی۔ کم و بیش پانچ سو کے قریب مختصر ویڈیوز پر مشتمل اس سلسلے میں وہ چند منٹوں میں بڑے پیچیدہ سوالات کو نہایت واضح اور موثر انداز میں بیان کر دیتے ہیں۔ ان کے جواب سن کر پیچیدگیاں سادہ اور مشکل سوالات آسان لگنے لگتے ہیں۔ اگر ایک طالب علم ان تمام کلپس کو سنتا ہے تو اس کی اسلام سے متعلق غلط فہمیاں کافی حد تک دور ہوں گی۔ یہ کلپس فراہی مکتبِ فکر کو سمجھنے کے لیے بہت مدد گار ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی شاعری

ڈاکٹر شہزاد سلیم کی شاعری پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے الفاظ نہیں، بلکہ اخلاقیات کی خوشبو اور کردار کی روشنی قاری کے دل میں اتر رہی ہو۔ ان کے اشعار دین کے اس وسیع اور جامع تصور کو زندہ کر دیتے ہیں جس کا مرکز انسان کی اخلاقی تربیت ہے۔ وہ ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ دین صرف عبادات کا نام نہیں، بلکہ دل کو سنوارنے، نفس کو سدھارنے اور معاشرے میں خیر پھیلانے کا ایک مکمل ضابطہ ہے۔

ان کی شاعری کی ایک اور انوکھی خوبی یہ ہے کہ اس کی انگریزی اتنی سادہ، رواں اور شفاف ہے کہ گویا علم کا چشمہ سب کے لیے یکساں بہ رہا ہو۔ ایک طالب علم نہ صرف ان کے اشعار سے عمدہ انگریزی سیکھ سکتا ہے، بلکہ ان میں چھپے جذبات اور احساسات کو بھی محسوس کر سکتا ہے۔ یہ وہ

جذبات ہیں جو شاید کتابوں کی خشک سطور میں کبھی نہ مل سکیں، لیکن ان کے کلام میں بہتے ہوئے دل تک پہنچ جاتے ہیں۔

یوں ڈاکٹر شہزاد سلیم کی شاعری صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک آئینہ ہے، جس میں ہم اپنی روح کی خوب صورتی، دین کی اصل روح اور انسانیت کی معراج دیکھ سکتے ہیں۔

خدا اور بندے کا تعلق

ڈاکٹر صاحب کی گفتگو محض علمی پہلو تک محدود نہیں رہتی، بلکہ اللہ اور بندے کے تعلق کو بھی مضبوط کرتی ہے۔ وہ اکثر روزمرہ زندگی سے ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جو براہِ راست دل پر اثر کرتی ہیں اور سننے والے کو شکر کی کیفیت میں جینے پر آمادہ کر دیتی ہیں۔ ان کا اندازِ بیان نہایت سادہ اور دل نشین ہے۔

مثال کے طور پر ایک بار انھوں نے بتایا کہ وہ ایک ولیمہ میں شریک تھے۔ جب سب لوگ اندر جا چکے تو باہر کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ ولیمہ ختم ہونے کے بعد انھوں نے دیکھا کہ کچھ بچے اور لوگ اندر آئے اور سالن اور گوشت کی بچی ہوئی ہڈیاں کھانے لگے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ قریبی بستی کے رہنے والے ہیں، جو ہر شادی میں آجاتے ہیں اور یوں بچا ہوا کھانا کھا لیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ واقعہ شکر کے پس منظر میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہم میں سے اکثر لوگ کبھی یہ سوچتے ہی نہیں کہ ہمیں باقاعدہ کھانا نصیب ہو رہا ہے، جب کہ ایسے بھی لوگ ہیں جو دوسروں کے بچے ہوئے کھانے پر گزارا کرتے ہیں۔

اسی طرح ایک اور موقع پر انھوں نے ایک مریضہ کا ذکر کیا، جسے سانس لینے میں شدید دشواری تھی۔ یہ واقعہ انھوں نے اس لیے سنایا کہ سننے والا لمحہ بھر کو رکے اور سوچے کہ ہمارے لیے یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ ہم بغیر کسی تکلیف کے سانس لے رہے ہیں۔ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں جنھیں سانس لینے میں بہت تکلیف ہتی ہے۔ یہ سب سن کر دل میں یہ احساس جاگ اٹھتا ہے کہ اللہ کا شکر ادا کرنا کتنا ضروری ہے۔

بہ حیثیت موٹیویشنل اسپیکر

بعض اوقات ڈاکٹر صاحب کی گفتگو میں ایک موٹیویشنل اسپیکر کی جھلک بھی محسوس ہوتی ہے، خاص طور پر جب وہ اینگر مینجمنٹ، پیرنٹنگ اور کامیاب زندگی کے اصول جیسے موضوعات پر بات کرتے ہیں۔ ان کی گفتگو نہ صرف علمی پہلو لیے ہوتی ہے، بلکہ عملی زندگی کے مسائل کے حل بھی پیش کرتی ہے۔ ان کے اندازِ بیان میں ایسا توازن ہے کہ سننے والا ایک طرف علم حاصل کرتا ہے اور دوسری طرف حوصلہ، سکون اور زندگی کے لیے ایک نئی رہنمائی بھی پاتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ڈاکٹر صاحب جیسے علما کے دور میں پیدا کیا اور ان سے سیکھنے اور سمجھنے کا موقع عطا فرمایا۔

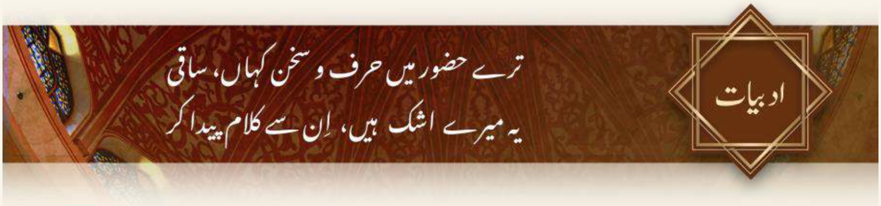

خیال و خامہ

جاوید احمد غامدی

ندیم

خوشا یہ وقت کہ پھولوں نے پیرہن بدلا
چمن میں ماہ سے اتری ہے رات کی مہماں
مری نگاہ کتابوں کے ڈھیر سے اٹھی
کہ اس ہجومِ خموشاں میں کچھ نہیں پنہاں

مرے ندیم، کئی بار آخرِ شب میں
مرے چراغ کی لو میں بنی تری تصویر
کنارِ آب چناروں میں ڈوب کر ابھری
خیالِ خواب میں خوابِ خیال کی تعبیر

ندیمِ شوق، اِدھر نو برس سے شام و سحر
رہِ حیات میں کانٹوں کی جستجو میں ہوں

یہ وہ سفر ہے کہ تو اِس سے بے خبر تو نہیں
ترے سوا میں زمانے میں کس سے عرض کروں

یہ دور اہلِ محبت کو سازگار نہیں
ترا خیال بھی اب تو وفا شعار نہیں

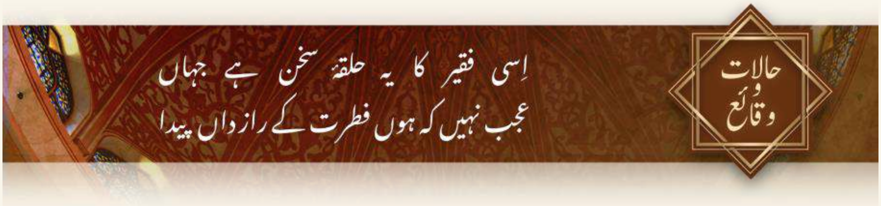

شاہد محمود

خبر نامہ ”المورد امریکہ“

[ستمبر 2025ء]

ڈاکٹر شہزاد سلیم کے لیے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ

گذشتہ ماہ غامدی سینٹر میں ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کی گئی۔ یہ تقریب ”المورد“، امریکہ کے معروف اسکالر ڈاکٹر شہزاد سلیم کی 37 سالہ علمی و دعوتی خدمات کے اعتراف میں منعقد کی گئی تھی، جس میں انھیں لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ پیش کیا گیا۔ غامدی سینٹر کے ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ کمیونیکیشن، حسن الیاس صاحب نے اس تقریب کی میزبانی کے فرائض سرانجام دیے۔ اس موقع پر غامدی صاحب، ”المورد“، امریکہ کے دیگر اسکالرز اور ڈاکٹر شہزاد سلیم کے اعزہ اور احباب نے آن لائن اور براہ راست شرکت کی اور ان کے علمی، فکری اور شخصی اوصاف کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ اس تقریب کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

”اجتہادی اطلاقات“

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام جاری 23 اعتراضات کی ویڈیو سیریز میں ”اجتہادی اطلاقات“

کے عنوان سے ایک نئے موضوع کا آغاز کیا گیا ہے۔ اس موضوع کے تحت ہونے والی نشستوں میں غامدی صاحب کے آج تک کے کیے گئے اجتہادی اطلاقات اور ان پر علما کی جانب سے کی گئی تنقیدات کو زیر بحث لایا جا رہا ہے۔ اگست 2025ء میں اس موضوع پر منعقد ہونے والی نشستوں میں زکوٰۃ اور طلاق کے باب میں کیے جانے والے غامدی صاحب کے اجتہادی اطلاقات پر گفتگو کی گئی۔ ان نشستوں کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھا جا سکتا ہے۔

مولانا ابو الکلام آزاد پر ڈاکومینٹری

اگست 2025ء میں مولانا ابو الکلام آزاد کی زندگی کے تمام اہم پہلوؤں کو اجاگر کرنے والی ایک جامع ڈاکومینٹری تیار کی گئی ہے۔ ایک گھنٹا پینتیس منٹ دورانیے کی اس ڈاکومینٹری کے اسکرپٹ اور تحقیق کی ذمہ داری غامدی سینٹر کے اسکالر نعیم احمد بلوچ صاحب نے انجام دی ہے۔ انھوں نے نہ صرف مولانا کی زندگی کی جدوجہد کا مفصل جائزہ لیا ہے، بلکہ اُس دور کے سیاسی، سماجی اور مذہبی حالات کی بھرپور عکاسی بھی کی ہے۔ حسن الیاس صاحب کی نگرانی میں بننے والی اس ڈاکومینٹری کو غامدی سینٹر کی متعلقہ ٹیم نے گرافکس اور visuals کے ذریعے سے بہترین سطح پر پیش کیا ہے۔ اس ڈاکومینٹری کی صداکاری جناب خالد سید نے کی ہے۔ یہ ”مولانا ابو الکلام آزاد: ایک متاعِ گم گشتہ“ کے عنوان سے غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

”حجۃ اللہ البالغہ“

غامدی سینٹر کی جانب سے ”حجۃ اللہ البالغہ“ کے نام سے ایک نئی علمی سیریز کا آغاز کیا گیا ہے۔ اس میں حسن الیاس صاحب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مشہور تصنیف ”حجۃ اللہ البالغہ“ کے اہم مباحث سے متعلق اپنے سوالات اور اشکالات غامدی صاحب کے سامنے رکھتے ہیں اور غامدی صاحب اس پر اپنی رائے اور تبصرہ پیش کرتے ہیں۔ یہ سیریز غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر سلسلہ وار نشر کی جا رہی ہے۔ طلبہ اور اہل علم اسے تعلیمی لحاظ سے بہت مفید قرار دے رہے ہیں۔

”فلسفہ سیریز“

غامدی سینٹر کی جانب سے کچھ عرصہ قبل ایک علمی سیریز ”فلسفہ“ کے عنوان سے ریکارڈ کی گئی تھی۔ اس سیریز میں فلسفے کے بنیادی تصورات، اس کی عملی جہتیں، مغربی و مشرقی فلسفے کا تقابلی جائزہ اور دینی و سائنسی تناظر میں اس کے کردار پر مدلل بحث کی گئی ہے۔ یہ سیریز نہ صرف اہلِ علم و تحقیق کے لیے ایک قیمتی اضافہ ہے، بلکہ طلبہ اور عام قارئین کے لیے بھی فلسفے جیسے پیچیدہ موضوع کو قابلِ فہم انداز میں سمجھنے کا ایک نادر موقع فراہم کرتی ہے۔ اس سیریز کو آڈیو کی صورت میں تیار کیا گیا۔ اس علمی سلسلے کی میزبانی حسن الیاس صاحب نے کی ہے، جب کہ جناب جاوید احمد غامدی بہ طور مہمان شریک گفتگو ہیں۔ اس ”فلسفہ سیریز“ کو اب ناظرین کے لیے غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر سلسلہ وار نشر کیا جا رہا ہے۔

”داستان حیات ڈاکٹر شہزاد سلیم“

اگست 2025ء میں جناب حسن الیاس نے غامدی سینٹر کے معروف اسکالر ڈاکٹر شہزاد سلیم کا ایک تفصیلی انٹرویو کیا۔ اس گفتگو میں ڈاکٹر شہزاد سلیم نے اپنے علمی و فکری سفر، غامدی صاحب سے اپنی پہلی ملاقات کے محرکات، خاندانی پس منظر اور ذاتی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ علاوہ ازیں، انھوں نے اپنے علمی سفر میں پیش آنے والی مشکلات اور چیلنجز کے بارے میں بھی گفتگو کی۔ اس انٹرویو کی ریکارڈنگ کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھا جا سکتا ہے۔

”حلال کو حرام قرار دینے کی بدعت“

منظور الحسن صاحب نے اپنے اس مضمون میں واضح کیا ہے کہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دینا اللہ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے، جس سے قرآن سختی سے روکتا ہے۔ دینی معاملات میں خود ساختہ فتوے دینا نہ صرف بدعت ہے، بلکہ شریعت سازی کی جسارت ہے، جو صریح گم راہی ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں اس طرزِ عمل کو سابقہ امتوں کی گم راہی قرار دے کر مسلمانوں کو اس سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ یہ مضمون ”اشراق“ امریکہ کے اگست

2025ء کے شمارے میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

”وائس آف ریسرچ“

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام ”وائس آف ریسرچ“ کے نام سے جاری آن لائن سیمینارز میں گذشتہ ماہ دو موضوعات کو زیر بحث لایا گیا: ”کیا قرآن سائنس کی کتاب ہے؟“ اور ”غزہ: امت مسلمہ کے لیے ایک امتحان“۔ اول الذکر پر سلمان احمد شیخ صاحب نے گفتگو کرتے ہوئے ”انسان کی ذہانت بہ مقابلہ مصنوعی ذہانت“، ”کیا قرآن کمپیوٹنگ کا ذکر کرتا ہے؟“، ”کیا مصنوعی ذہانت شیطانی عمل ہے؟“ اور ”کیا کمپیوٹر کی ذہانت انسان پر غالب آ سکتی ہے؟“ جیسے اہم نکات پر بات کی، جب کہ موخر الذکر موضوع پر ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی نے غزہ کی موجودہ صورت حال پر بات کرتے ہوئے جن اہم نکات پر گفتگو کی، وہ یہ ہیں: ”مسلم دنیا کی خاموشی ایک اخلاقی دیوالیہ پن کی علامت ہے“، ”اصل مسئلہ وسائل کی کمی نہیں، بلکہ قیادت اور سیاسی ارادے کی کمی ہے“ اور ”اب ضرورت حکمت عملی اور بیداری کی ہے“۔ ان سیمینارز کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

Ask Ghamidi

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام ”Ask Ghamidi“ کے عنوان سے جاری سوال وجواب کی آن لائن نشست میں گذشتہ ماہ پوچھے جانے والے چند اہم سوالات یہ ہیں: ”کیا جنت کے لیے لاشعوری ایمان ضروری ہے؟“، ”خواتین پر نان و نفقہ کی ذمہ داری ڈالنا درست ہو گا؟“، ”قرآن میں گوری حوروں کا ہی ذکر کیوں؟“ اور ”کیا حکومت مسجد گرا سکتی ہے؟“ ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

ہفتہ وار درسِ قرآن وحدیث

اگست 2025ء میں غامدی سینٹر کے زیر اہتمام جاری جناب جاوید احمد غامدی کے لائیو درسِ قرآن وحدیث کی نشستوں میں غامدی صاحب نے سورۂ انبیاء کی آیات 87 تا 112 اور سورۂ حج کی

آیات 1 تا20 کا درس دیا، جب کہ درس حدیث کی ان نشستوں میں جن نکات پر گفتگو کی گئی، ان میں سے چند اہم نکات یہ ہیں: ”رسول اللہ کا ظالم و منافق حکمران سے اعلان براءت“، ”ایمان کیا ہے؟“، ”عبادات میں افراط“ اور ”بیویوں سے کنارہ کشی کرنے کا گناہ“۔ قرآن و حدیث کے دروس کی یہ نشستیں غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہیں۔

غامدی سینٹر کا بُک اسٹال

اگست 2025ء میں غامدی سینٹر نے ISNA (Islamic Society of North America) کے امریکہ میں ہونے والے باسٹھویں سالانہ اجتماع میں شرکت کی اور کتابوں کا ایک اسٹال لگایا، جہاں غامدی صاحب اور دیگر اسکالرز کی کتابیں رکھی گئیں۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے اس بُک اسٹال کا وزٹ کیا اور کتابیں خریدیں۔

”مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: ایک عہد ساز مفکر!“

محمد حسن الیاس صاحب نے اپنے اس مضمون میں مولانا مودودی کی شخصیت کے مختلف علمی و فکری پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ مولانا مودودی بیسویں صدی کے وہ نابغۂ روزگار مفکر تھے جنھوں نے دینِ اسلام کو محض عبادات کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک جامع نظامِ حیات کے طور پر پیش کیا۔ اُنھوں نے اسلامی اصطلاحات کی نئی فکری تشکیل، اجتہادی اصولوں کی روشنی میں عصرِ حاضر سے مکالمہ اور دین کی تمدنی تعبیر کے ذریعے سے فکرِ اسلامی کو نئی جہت دی۔ اُن کی تحریریں زبان، منہج اور تہذیب، تینوں سطحوں پر ایک فکری انقلاب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مولانا نہ صرف روایت کے امین تھے، بلکہ اس کے نقاد، مجدد اور معمار بھی تھے۔ یہ مضمون ”اشراق“ امریکہ کے گذشتہ ماہ کے شمارے میں پڑھا جاسکتا ہے۔

”تفہیم الآثار“ سیریز

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام جاری ”تفہیم الآثار“ سیریز کے زیر عنوان اگست 2025ء میں منعقد ہونے والی نشستوں میں ”سیدنا علی کی خلافت—حضرت امیر معاویہ کا سیاسی موقف“، ”یزید کی

ولی عہدی—حضرت امیر معاویہ کا سیاسی موقف"، "قریش میں مختلف عصبیتوں کی کشمکش"، "شہادت عثمان رضی اللہ عنہ اور دور تغلب کا آغاز" اور "یزید کے دور میں خروج کے اقدامات" جیسے اہم موضوعات پر گفتگو کی گئی۔ ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

"انکوائری کمیشن رپورٹ اور مولانا امین احسن اصلاحی کا بیان"

"حیات امین" کی گذشتہ ماہ شائع ہونے والی قسط میں نعیم احمد بلوچ صاحب نے 1953ء کے فسادات کی تحقیقات کے لیے جسٹس منیر احمد اور جسٹس محمد رستم کیانی کے انکوائری کمیشن کی رپورٹ اور اس میں شامل مولانا کے مفصل بیان کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ رپورٹ میں مجلس احرار کو فسادات کا ذمہ دار قرار دیا گیا اور مذہب کی سیاست میں مداخلت کو ریاستی امن کے لیے خطرہ بتایا گیا۔ مولانا اصلاحی نے سیاسی اور حقیقی مسلمان کا فرق بتاتے ہوئے کہا کہ حقیقی مسلمان وہ ہے جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام پر عین اس طرح ایمان رکھتا اور عمل کرتا ہو، جس طرح وہ احکام وہدایات اس پر عائد کیے گئے ہیں۔ یہ مضمون "اشراق" امریکہ کے اگست 2025ء کے شمارے میں دیکھا جاسکتا ہے۔

"سوال وجواب حسن الیاس کے ساتھ"

معروف یوٹیوب چینل "مسلم ٹوڈے" پر محمد حسن الیاس صاحب کے پروگرام "Ask Hassan Ilyas" کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ سوال وجواب پر مبنی پروگرام ہے، جس میں حسن الیاس صاحب حاضرین کی جانب سے پوچھے گئے علمی وفکری اور دینی سوالات کے جواب دیتے ہیں۔ اگست 2025ء میں اس پروگرام میں زیر بحث آنے والے چند اہم نکات یہ ہیں: "کیا معجزات آج بھی ہوتے ہیں؟"، "احمد رضا خان کا منہاجِ عقیدت"، "سیدنا ابو بکر نے احادیث کو کیوں جلایا؟" اور "دوسروں پر گستاخی اور کفر کے فتوے لگانا"۔ اس پروگرام کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

غامدی سینٹر کی آن لائن خانقاہ

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام جاری آن لائن خانقاہ کی گذشتہ ماہ منعقد ہونے والی نشستوں میں زیر بحث آنے والے چند اہم نکات یہ ہیں: ”اپنوں سے بات کرنے میں خوف آنا“، ”خوش کریں یا اصول توڑیں؟“، ”حق اور خیر میں سے کس کو ترجیح دی جائے گی؟“ اور ”فیصلوں میں جلد بازی کرنا“۔ آن لائن خانقاہ کی ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہے۔

”اسلام اسٹڈی سرکل“

اگست 2025ء میں شہزاد سلیم صاحب نے ”اسلام اسٹڈی سرکل“ پروگرام میں قرآن مجید، حدیث اور بائیبل کے جن موضوعات پر بات کی، ان کے عنوانات بالترتیب یہ ہیں: ”ذکر الٰہی“، ”اچھے اخلاق“ اور ”دل کی حفاظت کرو“۔ مزید برآں، نشست کے آخر میں ”اپنی نعمتوں کا شمار کرو“ کے موضوع پر گفتگو کی گئی اور زیر بحث آنے والے موضوعات سے متعلق پوچھے جانے والے سوالوں کے جواب دیے گئے۔ یہ سیشن انگریزی زبان میں ہوتا ہے۔ اس سیشن کی ریکارڈنگ ادارے کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

”ایمان وعقائد“

شہزاد سلیم صاحب ”میزان لیکچرز سیریز“ کے تحت غامدی صاحب کی کتاب ”میزان“ کی انگریزی زبان میں تدریس کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ گذشتہ ماہ انھوں نے اس سیریز کے تحت ”ایمان وعقائد“ کے موضوع پر انگریزی زبان میں دو لیکچرز ریکارڈ کرائے۔ ان لیکچرز کی ریکارڈنگ کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھا جاسکتا ہے۔

”امتِ مسلمہ کے عروج وزوال کی تاریخ“

”علم و حکمت: غامدی کے ساتھ“ دنیانیوز چینل پاکستان کا ایک معروف پروگرام ہے، جو کئی برس سے نشر ہو رہا ہے۔ یہ ڈیلس میں ریکارڈ ہوتا ہے اور ہفتہ وار نشر ہوتا ہے۔ میزبانی کے فرائض

غامدی سینٹر کے ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ کمیونیکیشن حسن الیاس صاحب انجام دیتے ہیں۔ گذشتہ کچھ عرصے سے اس پروگرام میں ''امتِ مسلمہ کے عروج وزوال کی تاریخ'' کا موضوع زیر بحث تھا۔ اس سلسلے کی مجموعی طور پر بارہ اقساط ریکارڈ کی گئیں، جن میں امت مسلمہ کی تاریخ کے اہم ادوار، فکری انحطاط اور امت کے اجتماعی رویوں کا گہرا تجزیہ پیش کیا گیا۔ گذشتہ ماہ اس موضوع کا مکمل احاطہ کرنے کے بعد یہ سیریز پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔ اس سیریز کے تمام پروگراموں کی ریکارڈنگ ادارے کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہے۔

شہزاد سلیم صاحب کے آن لائن نجی مشاورتی سیشن

شہزاد سلیم صاحب ہر ماہ لوگوں سے آن لائن نجی مشاورتی سیشن کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان سیشنز میں لوگ اپنے مختلف ذاتی اور خاندانی نوعیت کے مسائل میں شہزاد سلیم صاحب سے مشاورت کرتے ہیں۔ گذشتہ ماہ اس سلسلے کے 30 سے زائد سیشنز ہوئے۔ ان سیشنز میں لوگوں نے شہزاد سلیم صاحب سے والدین کو درپیش مشکلات اور نوعمری کے مسائل کے حل کے لیے مشاورت کی۔

دینی آرا پر مبنی فتاویٰ کا اجرا

شریعت کے قانونی اطلاقات کے حوالے سے لوگ اکثر ''غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ'' سے رابطہ کرتے ہیں۔ انھیں نکاح و طلاق، وراثت (inheritance) اور بعض دیگر معاشی اور معاشرتی پہلوؤں سے اطلاقی آرا کی ضرورت ہوتی ہے۔ گذشتہ ماہ اسی نوعیت کی مختلف ضرورتوں کے تحت متعدد فتوے جاری کیے گئے۔ انھیں جناب جاوید احمد غامدی کے فکر کی روشنی میں حسن الیاس صاحب نے جاری کیا۔

Ask Dr. Shehzad Saleem

شہزاد سلیم صاحب ہر ماہ سوال وجواب کی لائیو نشست منعقد کرتے ہیں، جس میں وہ لوگوں کے ذہنوں میں اٹھنے والے مختلف دینی، اخلاقی اور معاشرتی موضوعات سے متعلق سوالوں کے جواب دیتے ہیں۔ اس نشست میں لوگ اردو اور انگریزی، دونوں زبانوں میں اپنے سوال پوچھ سکتے ہیں۔

سوال وجواب کی ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہے۔

”البیان“ کی انگریزی زبان میں تدریس

شہزاد سلیم صاحب غامدی صاحب کی تفسیر ”البیان“ کی انگریزی زبان میں تدریس کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں تاکہ انگریزی جاننے والے حضرات بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ اگست 2025ء میں انھوں نے سورۂ انعام کی آیات 56 تا 92 کا انگریزی زبان میں درس دیا۔ ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔